میلا آنچل

(ناول)

تنویر زہرہ بخاری

قیمت ــــــــــــــــــــــ سات روپے

ناشر

چمن بک ڈپو اردو بازار دہلی ۶

مطبوعہ یونین پریس دہلی ۶

۴

شام کے ہلکے سے دھندلکے میں ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی سائمہ کا رنگ اور بھی سفید پڑ گیا تھا۔ خالی خالی نظروں سے وہ لان کو تک رہی تھی جہاں عائشہ چہرے پر پھوٹتی ہوئی مسکراہٹ کی کرنیں لئے ایک پھول سے دوسرے پودے تک جھکی پڑتی تھی۔ ہر شئے کو بڑا اشتیاق نظروں سے تک رہی تھی۔ اُسے عائشہ کے خوش باش چہرے کو دیکھ کر رنگ آ گیا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر خوش ہونے کی استطاعت رکھتے ہیں اور ایک وہ ہے کہ بات بے بات اداسی خود بخود ہی اُمنڈ چلی آئے۔ سوچیں ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں۔

"دیدی..... کیا سوچتی ہو"؟

عائشہ ہاتھوں میں پھول تھامے تھامے سر اٹھا کر غور سے اُسے دیکھنے لگی تھی۔ سائمہ بے دلی سے مسکرا دی۔ مدھم لہجہ میں بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں"۔

وہ شرارت سے پوچھنے لگی

"عام ہی سہی"۔

"اس سے تمھیں کیا دلچسپی ہو گی؟"

"شمو دیدی ـــــ" عائشہ خوش ہو کر کہنے لگی

"ابو نے بہت اچھا کیا جو یہ گھر لے لیا۔ رہنے کی جگہ تو یہ ہوئی نا۔ کتنی آس تھی مجھے کہ کبھی ہم بھی یہاں آئیں گے۔ شہر کا فیشن ایبل حصّہ۔ یہاں ایک نظر ڈالو تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ ہریالی، سبزہ، پھول ہی پھول اور خوبصورت لوگ دیکھنے کو ملیں تو اور کیا چاہیئے اور وہ اپنا پرانا گھر۔ سچ میرا تو دم گھٹنے لگتا تھا وہاں۔ بھلا وہ بھی کوئی رہنے کی جگہ تھی۔ چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں، چھتوں پر سے نظر آتی ہوئی عجیب و غریب صورتیں ـــــ کیوں دیدی!"

سائمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی آ گئی سر جھٹک کر سوچا۔

"کیسے لوگ ہو تم ـــــ پرانی باتوں، پرانی یادوں کو ذہن سے یوں جھٹک دیتے ہو جیسے کچھ کبھی ہوا ہی نہ ہو۔ ایک ہی جست میں سارے رشتے ناطے توڑ ڈالتے ہو۔"

"دیکھنا دیدی میں یہاں کتنے نئے نئے دوست بناؤں گی۔ ڈھیروں ڈھیر کہ ایک بار تو لطف ہی آ جائے۔ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ کبھیا کا بھی کچھ ایسا ہی شاندار پروگرام ہے ـــــ اور تمہارا۔"

سائمہ ہنس پڑی۔ ہنسی کا ہلکا سا دلفریب انداز۔

"ہم آپ کو دیکھ کر خوش ہوا کریں گے۔"

"بس۔"

"اور کیا اپنے بس میں تو اتنا ہی ہے۔"

"بہت بور کرو گی دیدی تم۔ مجھے سب پتہ ہے کسی پروگرام میں حصّہ نہ لو گی

خشک وزنی کتابیں پڑھا کرو گی۔ وادی کے پاس گھس کر ان کے پند و نصائح سے فیض حاصل کرو گی۔ یا پھر بھٹکی ہوئی رُوح کی مانند اِدھر اُدھر برآمدوں میں گھوما کرو گی کچھ اس انداز میں ـــ یوں سنبھل سنبھل کر کہ تمہاری آہٹ کی کبھی خبر نہ ہو۔"

سائمہ نے لمبا سانس لیا۔

"بہت سمجھدار ہو گئی ہو عائشہ رانی۔"

"اور کیا کہو گی۔ تمہیں ہمیشہ میری سمجھداری پر شک رہتا ہے۔"

"اچھا چلو اندر اب۔"

وہ لاپرواہی سے بولی۔

"اپنا تو کوئی موڈ نہیں ـــ گھاس پر لمبا لمبا لیٹوں گی۔ دو چار لوٹیں لگاؤں گی اور ابھی سے اندر جا کر کیا کروں گی۔ اماں ڈھنگ سے چلنے پھرنے کی نصیحت کریں گی اور امی جان اِدھر اُدھر کے کسی کام میں دھکیل دیں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ یہیں رہو اور دل خوش کرو۔"

"بڑی کام چور ہو۔ سست کہیں کی۔"

"کیا کروں کبھی طبیعت ہی نہیں آتی اِدھر۔ چاہوں بھی تو کچھ نہیں کر سکتی۔ ذرا کسی کام میں ہاتھ لگاؤں تو دل ہولنے لگتا ہے۔"

"مہارانی ہو بالکل۔"

وہ چہرے پر آئی لٹوں کو ایک جھٹکے سے پرے ہٹاتی ہوئی بولی۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"اچھا بھئی تم عیش کرو۔ ہم تو چل دیئے۔ اور بھی بہت سے کام ہیں۔"

سائرہ واپس جانے کو مڑی۔ سیڑھیوں پر قدم رکھا ہی تھا کہ عائشہ بھاگتی ہوئی پیچھے آگئی ہنستے ہوئے پوچھنے لگی۔

"دیدی ایک چھوٹی سی بات بتادو — یہ تمہیں اتنے سارے کاموں کا کیا خبط ہے ہر شئے جیسے تمہارے بنانا ممکن سی ہو۔ ان ساری ذمہ داریوں سے اُکتاتی نہیں۔ دل نہیں اُچاٹ ہوتا کیا۔ میں تمہاری جگہ ہوں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کہیں بھاگ جاؤں، مڑ کر کبھی نہ دیکھوں"۔

وہ ہنس پڑی کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔ پھر اس کا بازو تھپتھپاتی ہوئی پیار سے بولی۔

"عائشہ رانی! جب ذہنی طور پر بڑی ہو جاؤ گی تو خود ہی سب کچھ سمجھ لو گی۔ اچھا ابھی اپنے نازک ذہن پر اتنا بار نہ ڈالو"۔

وہ مڑ کر اندر آگئی۔ گیلری میں سے گزرتے ہوئے اُچٹتی ہوئی نظر اندر ڈرائنگ روم میں ڈالی۔ باتوں اور قہقہوں کا دبا دبا شور تھا۔ بھیا ابھی تک اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھے۔ اُس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آگئی۔ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی پچھلی طرف کے برآمدے میں آگئی۔ اندھیرا ہو رہا تھا اُس نے لائٹ جلانے کو ہاتھ بڑھایا۔ اُسی وقت ہی تخت پر بیٹھی اماں کی طرف نظریں چلی گئیں۔ ایک لمحہ کو اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا۔ چند لمحوں کے لئے سوچا پھر بتی جلا کر اماں کی طرف آگئی۔

"ثمو بیٹی"؟

"جی —!"

"میرا جی اچھا نہیں"۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ درد محسوس ہو رہا ہے۔"

"پھر ـــ ڈاکٹر سے بات کروں۔"

"ہاں۔"

سائمہ نے اٹھنا چاہا پھر بیٹھ گئی!

"وزن تو خراب ہے اماں۔"

"کیوں؟"

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"کیوں خراب ہے یہ تو کچھ کہہ نہیں سکتی۔ دو دن ٹھیک اور چار دن خراب رہتا ہے۔"

"خراب رہتا ہے؟"

"کامران کہاں ہے؟"

"کچھ دوستوں کے ساتھ مصروف ہے۔"

"اور عائشہ؟" دادی اماں کو حسبِ معمول سب کی فکر ہوئی۔

"اپنے کمرے میں ہو گی۔"

"باہر تو نہیں گھوم رہی۔"

"باہر بھی ہو تو کیا ہوا؟" سائمہ کو ہنسی آ گئی۔

"اندر بند کمروں میں بھی تو دل اُکتا جاتا ہے۔"

اُن کے ماتھے پر ہلکی ہلکی شکنیں تھیں۔

"مجھے اُس کی عادتیں جو ذرا پسند ہوں ـــ لڑکوں کا سا انداز ہے۔ وہ مشرقیت

تو کہیں دکھائی نہیں دیتی۔
سائمہ کو ہنسی آ گئی۔ بمشکل سے خود پر قابو پایا۔ دل ہی دل میں سوچا۔
" اماں آپ کہاں مشرقیت کے چکروں میں پڑ گئیں۔ یہ لفظ تو اب گھس گھسا چکا۔ پرانا ہو گیا اور ان باتوں میں رکھا ہی کیا ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں چلا گیا آپ لوگ ابھی تک اُن پرانی قدروں کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں۔"
بات بدلنے کو وہ جلدی سے بولی۔
" اماں چائے پئیں گی؟"
انہوں نے اس کی بات ان سنی کر دی۔
" یہ عائشہ کچھ پڑھتی وڑھتی بھی ہے؟"
" سب ٹھیک ہے اماں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوا کریں۔"
وہ کچھ اور کہے بنا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نظر ان کے سوچ میں ڈوبے چہرے پر ڈالی پھر جلدی سے مُنہ پھیر لیا۔ دل ہی دل میں سوچا۔
" یہ اگلے وقتوں کے لوگ۔ اِن کی سوچ کا دھارا ایک ہی ڈگر پر جاتا ہے لیکن کتنی صحیح سوچ ہے۔"
وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ روشنی کئے بغیر دروازہ بند کئے پشت اس سے لگائے بہت دیر تک کھڑی سوچتی رہی۔
" اپنی طبیعت بھی جان کا عذاب ہو گئی۔ یہ حساس طبیعت مارے ڈالتی ہے۔ اس ماحول میں رہتے ہوئے بھی سب کچھ اتنا اجنبی ہے اتنے لوگوں کی موجودگی میں بھی تنہائی کا احساس پیچھا نہیں چھوڑتا۔ یوں جیسے جنم جنم سے اکیلی چلی آ رہی ہوں۔

تنہائی کا یہ جان لیوا احساس۔ سوچ کا انداز اوروں کی طرح ہوتا تو زندگی کتنی سہل ہو جاتی۔

اندھیرے میں ہی ذرا سی دیر کے لئے وہ مسہری پر آلیٹی۔ نرم گرم بستر میں سیدھی لیٹی سوچتی رہی اُسی وقت ہی اپنا وہ پرانا گھر یاد آگیا۔ وہ گھر جو چھوٹا تو ضرور تھا لیکن جہاں حقیقی زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ جہاں ہر کوئی اپنی جگہ پر تھا۔ ہر کسی کو اپنے مقام کا احساس تھا۔ زندگی سادہ سی تھی لیکن کتنی سہل۔

بستر میں لیٹتے ہوئے ہمیشہ اسے اپنا وہ گھر یاد آجایا کرتا تھا۔ گرمیوں کی خنک چاندنی راتوں میں وہ گھنٹوں صحن میں لکڑی کے سخت تخت پر سیدھی لیٹی ستاروں کی کہکشاں کو دیکھا کرتی۔ بہت سی غیر مرئی چیزوں کو محسوس کرتی رہتی اور ایسا کرتے ہوئے سب کچھ اتنا اچھا معلوم ہوتا۔ کتنے سکون کا احساس ہوتا۔ اب بھی چاندنی راتوں میں کتنا اس کا دل مچل جاتا۔ لیکن یہاں ہر شئے ایسی ناممکن سی لگتی اکثر رات گئے تک کچھ نہ کچھ ہنگامہ رہتا۔ ابّو یا بھیّا کے دوستوں کی محفل دیر تک جمی رہتی۔ دعوت پارٹیاں زوروں پر ہوتیں۔ ایسے میں چاند اور اس کی چاندنی کے متعلق سوچنا مضحکہ خیز سا لگتا۔ رات گئے تھک کر جو چارپائی پر گرتی تو صبح کی خبر لاتی۔

اسی وقت ہی دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ کسی نے ہاتھ بڑھا کر سوچ آن کر دیا۔ کمرے میں چاروں طرف تیز روشنی ہو گئی۔ سائمہ ہڑابڑا کر اٹھی۔ سر موڑ کر دیکھا وہ عائشہ تھی۔ شریر سی مسکراہٹ چہرے پر لئے کھڑی تھی۔ سائمہ ناگواری سے بولی

"کیا اُفتاد پڑی تم پر۔"

"فی الحال تو کچھ نہیں۔"

"کبھی آرام سے کہیں بیٹھا کرو۔"

"قسمت میں ہی نہیں لکھا۔"

"خیر فرمائیے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"کیا خدمت کی جائے آپ کی؟"

عائشہ چھوٹا اسٹول کھینچ کر اس کے بستر کے پاس آبیٹھی۔

"کبھی دیدی بہت بور ہو تم۔"

"بہت دیر میں اندازہ ہوا۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"مطلب کی بات کرو۔"

"کچھ نہیں۔" وہ سچ مچ ہی بور ہو گئی۔

"بھلا یہ کوئی سونے کا وقت ہے۔ دروازے کھڑکیاں بند کئے بیٹھی ہیں۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو کیسا حسین موسم ہے۔ میں نے لان میں کرسیاں نکلوائی تھیں۔ جمو کرے کو کافی کافی کا بھی کہہ آئی ہوں۔ سوچا تھا کچھ دیر اِدھر اُدھر کی گپ شپ کریں گے۔ مزے سے کافی کی چسکیاں لیں گے۔ یہاں آکر دیکھا تو آپ سب چوپٹ کئے پڑی ہیں۔

سائمہ نے غور سے اُسے دیکھا۔

"بہت خوبصورت پروگرام بناتی ہو۔"

"کوئی قدر ہی نہیں کرتا۔"

سائمہ نے شرارت سے اُسے آنکھ ماری۔

"دادی تمہارے لئے فکر مند تھیں۔"

وہ حیران ہو کر بولی۔

"میرے لئے؟"

"اور کیا؟"

چند لمحے وہ سنجیدہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر سر ہلایا اور بے ساختہ شرارت سے ہنس پڑی۔ دبے لہجہ میں بولی۔

"اصولاً تو تمہارے لئے فکرمند ہونا چاہیئے۔"

سائمہ اس کا اشارہ سمجھ گئی پھر بھی مصنوعی حیرت سے بولی۔

"کیوں ——!"

"بڑی جو ہو۔"

"ارے اس لئے تھوڑا ہی فکرمند تھیں۔ اور پھر تمہارے متعلق وہ اس قسم کی فکر کریں گی انہیں معلوم ہے تم ضرورت سے زیادہ ہی ہوشیار رہو۔ گھر والوں کو اس قسم کی کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔"

عائشہ نے لمبا سانس لیا۔

"دیدی تم ایسے ہی سوچتی ہو۔ میں نے سمجھا تھا تمہاری سوچ تو اوروں سے کچھ مختلف ہو گی۔"

سائمہ ہنستی ہوئی بولی۔

"بس عائشہ رانی خفا ہو گئیں۔ میری بات بُری لگی کیا۔ اب بھلا میں اماں جیسے دقیانوسی انداز میں کیا ہی سوچوں گی۔" وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رات کھانے پر تو کوئی نہیں آ رہا۔"

"شاید نہیں لو دیت ہو گی۔"

"تمہیں یہ ہنگامے بہت پسند ہیں؟"

"میری زندگی انہیں سے عبارت ہے۔ تمہیں یاد ہے دیدی مجھے اُس چھوٹے گھر میں کتنی اُلجھن ہوتی تھی۔ چار دوستوں کو ملا لو تو اتنی گھٹن محسوس ہوتی جیسے ساری دیواریں اوپر آ رہی ہوں۔ ذرا جو کسی بات کا لطف آئے۔"

"اب تو خوش ہو۔"

"بہت۔"

سائرہ مسکرا دی دل ہی دل میں سوچا۔ تمہیں اس گھر میں گھٹن ہوتی تھی۔ اور مجھے یہاں سے وحشت ہوتی ہے۔ اتنی بڑی جگہ ہے کہ تنہائی کا احساس پریشان کرنے لگے۔ ایک دوسرے کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔ یہاں تک پتہ نہ چلے کہ کوئی تمہاری آواز بھی سن پائے گا۔

"دیدی کیا سوچتی ہو۔"

"کچھ نہیں بی بی۔ کچھ باتیں تمھیں بتانے کی نہیں ہوتیں۔ جو صرف میں ہی سوچ سکتی ہوں اور اس سوچ کے حصار کے اندر میں اکیلی ہوتی ہوں کسی اور کا وہاں گزر نہیں ہو سکتا۔"

عائشہ نے اس کی بات بے دھیانی سے سنی۔ انگلیوں سے بالوں کو سنوارتی رہی۔ کیوٹکس لگے ناخنوں کو دیکھتی رہی کچھ سوچ کر مسکراتی رہی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی جاتے ہوئے بولی۔

"کل کچھ لوگ چائے پر آ رہے ہیں۔"

"کون لوگ۔"

"چند دوست ــــ سہیلیاں۔"

"تمہاری"

"اور کیا آپ کی"

سائمہ ہنس پڑی۔

"نہیں! میں نے سمجھا شاید کامران کی ہوں"

"ان کی بھی ہوں گی"

"خواہ مخواہ ہنگامہ کرو گے تم لوگ"

وہ بُرا منہ بنا کر بولی۔

"لو رنہ کیا کرو دیدی"

وہ مسکرا کر خاموش ہو رہی۔ عائشہ ذرا اس کی طرف جُھک کر بولی۔

"ایک بات پوچھوں"

"دو پوچھوں"

"اتنی بے حس کیوں ہو"

"کیا مطلب" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

"بے حسی کی اس میں کیا بات ہے"

"دیدی" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"تمہیں شاید میری بات بُری لگے، لیکن سچ کہنا کبھی اس قسم کی کسی بات پر تم نے خوشی محسوس کی ہے۔ ہر کام میں ضرور حصہ لیتی ہوں۔ ساری ذمہ داری بھی تمھاری ہی ہوتی ہے۔ پھر بھی ہر بات سے اتنی لاتعلق محسوس ہوتی ہو۔ کوئی کچھ کہتا رہے تمھیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ آخر ایسا بھی کیا ہے"

سائمہ ہنس پڑی کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔

"پھر کیا ہوا۔ میری تو عادت ہے"

وہ برا منہ بنائے بولی۔

"کچھ ایسی ہی دل پسند بات نہیں"

"نہ سہی"

"یہ بننے کی عادت کہاں سے سیکھی"

سائمہ مسکراتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم میرے متعلق غور کرنا چھوڑ دو۔ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرو گی اپنی دلچسپیوں سے سروکار رکھو اپنا کیا ہے عادتیں ہی تو ہیں اور اتنی جلدی بدل نہیں سکتیں"

وہ عائشہ کو بازو سے تھام کر باہر لے آئی۔

دونوں بہنیں تھیں ایک ہی گھر میں پلی بڑھیں لیکن مزاج میں اتنا فرق تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی۔ عائشہ سراپا تبسم تھی۔ شعلہ جوالا ہر وقت کسی نہ کسی ہنگامے کی فکر ہوتی۔ ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ خود سر بھی تھی۔ جس بات پر اڑ جاتی منوا کر دم لیتی۔ کسی کو اس کی کوئی حرکت بُری لگے اُسے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ کسی کو دُکھ پہنچتا ہو وہ ذرا برابر پرواہ نہ کرتی۔ صورت کی بہت اچھی تھی خود کو بنا سنوار کر سلیقہ سے رکھتی تو اور بھی حسین لگتی۔ بھائیوں کی بہت لاڈلی تھی۔ پیار سے رعب سے اکثر باتیں منوایا کرتی۔ سائرہ اس کے برعکس تھی۔ شخصیت میں اتنا ٹھہراؤ تھا باوقار قسم کی سنجیدگی۔ عائشہ سے کچھ ہی بڑی تھی۔ لیکن مزاج کے لحاظ سے سالوں کا فرق محسوس ہوتا۔ حساس طبیعت اور بھی مارے ڈالتی۔ اوروں کی خوشیوں کے احساس سے خود دُکھ سمیٹ لیتی۔ ہر موقع پر نازک دل پسیج جاتا۔ یونیورسٹی میں پڑھاتی تھی۔ وہاں سے واپس آ کر ادھر اُدھر کی ذمہ داریوں میں اُلجھ جاتی کچھ وہ عادتاً مجبور تھی کچھ لوگ کمزور جان کر دعوت پارٹیوں کا سارا انتظام اس کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیتے اور وہ ہر کام کو نبٹاتی ہوئی سنجیدہ سی ادھر اُدھر یوں گھوما کرتی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ عائشہ کی طرح حسین نہ سہی لیکن صورت میں جاذبیت ضرور تھی۔ چہرے پر

کچھ ایسی حلاوت اور نرمی کا احساس۔ بڑی بڑی آنکھیں جھپک کر مسکراتی تو چہرے پر کچھ ایسا نکھار آجاتا کہ دیکھنے والا دم بخود رہ جائے۔

شہر کی فیشن ایبل آبادی میں خوبصورت سا گھر لے کر وہ ان لوگوں کے زمرے میں آگئے تھے جو نئے نئے ماڈرن ہوتے ہیں۔ دولت تو شروع سے ہی تھی لیکن ہمیشہ اور بڑھانے کا ہی خیال رہا۔ خرچ کرنے کے متعلق کبھی نہ سوچا۔ کسی اچھی جگہ رہنے، خوبصورت گھر بنانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ انہی پرانے گھروں میں کھب کر بیٹھے۔ گھر میں ہی زندگی کا سب کچھ تھا۔ ابو کو اپنے بزنس کے علاوہ کچھ اور خیال نہ تھا۔ پھر بیٹے جوان ہوگئے۔ بیٹوں کے مزاج بدل گئے کچھ اپنے دوستوں کا اصرار تھا۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بیگم کی مخالفت کے باوجود انہوں نے نیا گھر خرید لیا۔ ہر شئے نئے سرے سے ترتیب دی۔ گھر سجانے میں پیسے کی پروا نہ کی۔ پھر یہ کہہ کر کہ لو بھئی تمہاری ضد پوری ہوگئی۔ یوں ایک طرف ہٹ گئے جیسے کبھی واسطہ ہی نہیں رہا ہو۔

امی پرانے دقیانوسی خیالوں کی تھیں۔ ذات پات، خاندان برادری کے چکر ہی سے باہر نہ آئیں۔ پرانے رسم و رواج کی چھاپ کچھ ایسی گہری تھی کہ خالہ صاحب کی ہزار کوشش کے باوجود اتر نہ سکی۔ دونوں میں اکثر ان ہی باتوں پر نوک جھونک رہتی۔ گھر میں ہنگامے ہوتے لیکن وہ خود کو علیحدہ ہی رکھتیں۔ بیٹوں پر بس نہ چلتا لیکن بیٹیوں کو لتاڑ ڈالتیں۔ سائمہ تو اِدھر اُدھر ٹل جاتی لیکن عائشہ کہاں برداشت کر پاتی یا تو ہنس کر ٹال دیتی ورنہ پٹاخ سے کوئی کرارا سا جواب دیتی۔ سائمہ کے گھورنے، ڈانٹنے پر بھی نہ رکتی۔

"دیدی۔ میں اکیلی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

وہ امی کے جانے کے بعد ہنستی ہوئی کہتی۔

"تمہارا زندہ رہنے کا کیا معیار ہے؟"

"وہی جو تمہارا نہیں؟"

وہ سائرہ کو حیران چھوڑ کر اپنے کمرے میں گھس جاتی۔

سائرہ اُسے دیکھتی اور دیکھتی ہی رہ جاتی۔ اس الھڑ سی ضدی لڑکی پر بے تحاشا پیار آتا۔ اپنی ذات سے وہ کہیں اچھی لگتی۔ اکثر ہی سوچا شاید وہ ذہنی طور پر اُس سے کتنی ہی بڑی ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے زندگی میں کسی موڑ پر کتنی بڑی ٹھوکر کھا جائے۔ اس کی یہ ازل کی بزدلی اُسے کہاں لے جائے اور یہ باتیں بہت دور نہ ہوتے ہوئے بھی کتنا قبل از وقت محسوس ہوتیں۔ ہمیشہ ہی سر جھٹک کر ان تلخ باتوں سے پیچھا چھڑانے کا اکثر ہی سوچا۔ بھلا ان پاگل پن کی سوچوں میں رکھا ہی کیا ہے اور ہر بار کچھ سوچ کر دل میں خلش سی محسوس کی۔ چوٹ کا اثر جیسے کہیں بہت دور پھیلا گیا ہو اور پھر اُس مقام پر خود کو بے اندازہ مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر کے کاموں میں ذہن اُلجھائے رکھا۔ دوسروں کی سوچوں میں اپنے متعلق ہر سوچ کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ہر بار یہی سمجھا شاید زندگی اسی کو کہتے ہیں۔

اور جب کبھی بھی گھر میں مہمان آتے کوئی دعوت پارٹی انتظام ہوتا عائشہ دامن بچا جاتی۔ سارا انتظام سائرہ کے کندھوں پر آ پڑتا۔ سارا دن اِدھر سے اُدھر بھاگی پھرتی گھر کی صفائی سے لے کر کھانے پینے کے انتظام تک ہر شے کی دیکھ بھال وہی کرتی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سج بن کر مہمانوں کی خاطر و مدارات بھی ضرور کرنی ہوتی، اور ایسا کرتے ہوئے وہ اتنا جھنجھلاتی۔ یہ خواہ مخواہ کی مسکراہٹ ـــ خوش مذاقی ـــ یہ

مصنوعی پن ذرا جو چھتا۔

امی کو یہ شور ہنگامے ذرا پسند نہ تھے اکثر اعتراض کرتیں۔ ناک بھوں چڑھاتیں اور ایسے میں سائمہ ہی ایک ایسی ہستی تھی جو انھیں کسی نہ کسی طریقے سے بہلا دیتی۔ ہمیشہ کی طرح کوئی نہ کوئی بہانہ سوچ لیتی۔ کچھ ایسی ہی بات کہ سن کر وہ بڑبڑاتیں ضرور۔ لیکن کچھ کہہ نہ پاتیں۔ سائمہ پر کچھ ایسا اعتماد تھا کہ چاہنے کے باوجود وہ اُس کی بات رد نہ کرسکتیں۔ انہیں باتوں کے طفیل گھر میں اس کی کچھ زیادہ ہی اہمیت تھی۔ کوئی ناممکن کام، امی کو بہلانے پھسلانے کی کوئی بات ہوتی۔ بھائی بہن اس کی ہی منتیں کرتے اور وہ اپنی ازلی نرم مزاجی کی وجہ سے ہمیشہ ہی مان جاتی۔ فوراً سفارش لے کر پہنچ جاتی۔

اُس روز کی دعوت میں ہنگامہ کچھ زیادہ ہی تھا۔ کچھ ایسا کہ دادی اماں کو خواہ مخواہ اختلاج ہونے لگا۔ امی کی سخت مزاجی عود کر آئی۔ جھنجلا کر برآمدے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتی رہیں۔ اتفاق سے ابو جان دورے پر تھے ورنہ شاید اُن کا موڈ بھی بگڑتا اور یوں بدمزگی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

اندر ڈرائنگ روم میں دس بارہ لوگ تھے۔ عمران کی دو ایک ملنے والیاں ریحان کی امریکن دوست لڑکی جس سے اس کی بے تکلفی دوستی کی حدوں سے آگے نکل گئی تھی۔ دونوں کے عزیز دوست۔ عائشہ کی چلبلی، شوخ سہیلیاں اور ایک دو کلاس فیلوز۔ سائمہ تقریباً سبھی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بے تکلفی کسی سے نہ تھی، اس محفل میں اس کا ذاتی کوئی دوست نہ تھا۔ عائشہ نے ایک بار شرارت سے پوچھا بھی۔

"ڈیڈی۔ وہ تمہارا سوشل سرکل کیا ہوا؟"

وہ ہنس کر کہنے لگی

"بنو۔ اپنا کیا ہے۔ ہم تو تم لوگوں کو دیکھ کر خوش ہیں۔"

"بڑا ظرف ہے بھئی!"

"ایک ہی تو ہے اپنے پاس"

وہ ہنستی ہوئی دوسری جانب مڑ گئی تھی۔ ریحان اپنی دوست کے پاس جھکا کوئی بہت ہی دلچسپ بات سنا رہا تھا۔ وہ اپنی بڑی نیلی آنکھیں کھولے ایسی خوب صورت لگ رہی تھی، اپنے بے ساختہ مخصوص انداز میں قہقہے لگا رہی تھی۔ وہاں ہر کوئی خوش تھا، ہر کوئی مگن تھا۔ اس بھری محفل میں بھی سائمہ تنہا تھی۔ تنہائی کا یہ احساس پوری ہستی کو سلگا رہا تھا۔ وہ چپکے سے باہر کھسک آئی۔ ٹھنڈے یخ بستہ ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دکھ کا احساس لئے سوچا۔

"خبر نہیں اپنا یہ پاگل من کیا چاہتا ہے"

کتنی ہی دیر وہ یوں ہی کھڑی رہی سوچتی رہی۔ شاید وہ اوروں سے مختلف تھی۔ ان کے سے انداز میں نہ سوچتی تھی۔ اور اس معاملے میں خود بھی زبردستی نہ کر پاتی۔ کئی بار کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اپنی اسی پرانی روش پر واپس جانا پڑا۔ گھر میں ہر کوئی اپنی اپنی دلچسپیوں میں مصروف تھا۔ چاہتے ہوئے بھی وہ کسی کو کچھ نہ کہہ پاتی۔ عائشہ کے انداز اطوار کچھ ایسے پسند نہ تھے لیکن وہ کسی کی سنتی ہی کب تھی۔ سائمہ کو تو یوں چٹکیوں میں اڑا دیتی۔ عمران، ریحان نرے ہو گئے

تھے اور ماڈرن بھی کچھ زیادہ ہی۔ اکثر رات کو دیر سے گھر لوٹتے۔ ہوٹلوں، ریستورانوں میں گھومتے پھرتے اور کچھ نہیں تو دوستوں کی محفلوں سے ہی پیچھا نہ چھوٹتا، امّی کڑھتیں۔ اندر ہی اندر گھلا جاتا تھا۔ سارا اُبال سائمہ پر ہی نکلتا۔ وہ چپ چاپ سنتی رہتی۔ انھیں مزید کوئی دُکھ نہ دینے کے خیال سے کچھ جواب نہ دیتی۔ ہر کسی نحے حصے کی جھڑکیاں اُسے ہی سننی پڑتیں۔

طوفان تھمنے کے بعد عائشہ اکثر ہی اُس کے پاس چلی آتی۔ بڑی بھولی صورت بنائے کہتی۔

"بھئی دیدی۔ بہت افسوس ہے مجھے۔ کرے کوئی، بھرے کوئی۔ آپ امّی کو کہہ کیوں نہیں دیتیں"

سائمہ ہنس دیتی۔

" سچ مچ "

" اور کیا۔ تم بھی تو چاہتی ہو" وہ مسکراتی۔

" پھر نہ کہنا "

" بھیا ابھی اُس روز بہادری کی تعریف کر رہے تھے "

" ارے اور کیا۔ کبھی یاد کروگے تم لوگ "

" وہ تو ہے ہی "

سائمہ لمبا سانس لیتے ہوئے کہتی۔

" یوں عائشہ رانی مجھے تمھاری یہ حرکتیں پسند نہیں۔ کچھ پڑھا بھی کر دخالی شوخیوں باتوں سے تو کام نہ چلے گا ـــ بہرحال "

وہ کندھے جھٹکتی ہوئی اپنے کمرے کو چل دیتی جیسے کہہ رہی ہو ۔۔ اپنا کام تو سمجھانا ہی تھا اور تمھاری مرضی ۔

گیٹ کے پاس اُس نے اپنے مخصوص انداز میں جھنجھلاتے ہوئے تیز تیز ہارن دیا۔ چوکیدار کہیں آس پاس نہ تھا، تاؤ کھا کر وہ خود نیچے اُترا اور گیٹ کھول دیا۔ موٹر ایک جھٹکے کے ساتھ پورچ میں آ رکی۔

وہ خاصی رعب دار شخصیت کا مالک تھا۔ اونچا لمبا، سانولا رنگ، تیکھے نقوش، چہرے سے کرختگی برستی تھی۔ گاڑی بند کر کے یونہی کھڑا وہ چند لمحوں تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ لان بہت بڑا تھا۔ چاروں طرف پھولوں بھرے خوب صورت تختے تھے۔ درخت سبز پتوں سے لدے کھڑے تھے۔ اُس نے بیگ سنبھال لیا اور اندر مڑ گیا۔

راہداری میں جاتے ہوئے اُس نے کمرے میں سے ہنسی کی آواز سنی۔ آنچل کی ایک جھلک دیکھی اور اُس کے چہرے پر انتہائی بیزاری کے آثار اُبھر آئے۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اچانک ہی کوئی اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ اُس نے ذرا سر جھکا کر دیکھا وہ اُس کی اپنی چھوٹی سی بھانجی تھی۔ گڑیا سی بیٹی۔

"انکل"

وہ اس کی آواز پر چونک پڑا۔ عجیب سا محسوس ہوا۔ فوراً ہی اسے پرے دھکیل کر اندر چلا گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ہمیشہ کی طرح اُسے تنہائی کا احساس ہوا۔ پردوں کو برابر کرتے ہوئے کمرے میں ہلکا سا اندھیرا پھیل گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا، ہر شے اپنی جگہ پر تھی۔ کچھ سکون کا سا احساس ہوا۔ لائٹ جلا کر وہ سستی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ ہر چیز ترتیب سے الماری میں رکھ دی اور غسل خانہ میں چلا گیا۔ چند لمحوں تک شاور چلنے کی آواز آتی رہی۔ پھر وہ باہر آیا تو کُرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔ گیلے بال بے ترتیبی سے پیشانی پر پڑے تھے۔ ائرکنڈیشنڈ آن کرتے ہوئے وہ تکیے میں منہ چھپائے چُپ چاپ لیٹ گیا۔

دوپہر کا کھانا وہ مُدّت ہوئی چھوڑ چکا تھا اور اب کچھ ایسی عادت سی پڑ گئی تھی کہ کبھی محسوس ہی نہ ہوا۔ گھر واپس آکر کبھی زیادہ ہی دل چاہتا تو ایک آدھ پیالی سوپ کی پی لی ورنہ خاموشی سے لیٹ کر کوئی رسالہ دیکھتا رہا۔ ریڈیو گرام پر کوئی خوبصورت سی دُھن سنتا رہا اور پھر یوں ہی تکیہ میں منہ چھپائے چھپائے سو گیا۔

یونہی لیٹے لیٹے ہی وہ اونگھ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا۔ باہر اندھیرا گہرا ہو رہا تھا کہ جاگ آئی۔ پلکیں جھپکاتے ہوئے کسلمندی سے کتنی ہی دیر لیٹا رہا۔ ذرا جو اُٹھنے کو دل چاہ رہا ہو۔

اور پھر کالا سوٹ اور ذرا شوخ قسم کی ٹائی پہنتے ہوئے ایک نظر خود کو آئینہ میں دیکھا۔ بڑا اسمارٹ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ خوشگوار موڈ میں آہستہ آہستہ سیٹی بجاتا ہوا وہ باہر نکلا۔ باہر لان میں بچھی کرسیوں پر کتنے ہی لوگ بیٹھے تھے۔ بچے کھیل رہے تھے۔ اُچٹتی ہوئی نظر اُن سب پر ڈالتے ہوئے اُسے یاد آگیا کہ اُس کی امّی اور

بہنیں چند روز کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی طرف آگیا۔

"بیٹے تمہاری تو صورت ہی دکھائی نہیں دیتی۔"

اس کی ماں نے گلہ کیا تھا۔ وہ ذرا سا مسکرایا۔

"بس امی۔ کچھ ایسی ہی مصروفیات ہیں۔"

"کچھ دیر گھر میں بھی ٹھہرا کرو۔"

"ساری دوپہر یہیں تو تھا۔"

وہ مسکرا دیں۔۔

"اپنا کمرہ اندر سے بند کر کے سو جاتے ہو۔ تمہارے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ایسی بھی کیا لاپرواہی ہے۔"

"کیا کروں امی۔" وہ کسی قدر بیزاری سے بولا۔

"میرے لئے یہاں کیا دلچسپی ہے۔ آپ چند روز کے لئے آئی ہیں کوشش کروں گا زیادہ سے زیادہ وقت آپ کے پاس گزار سکوں۔"

ماں نے اُسے بازو سے تھام کر کرسی پر بٹھا دیا۔ چند لمحے پیار دلار سے دیکھتی رہیں، پھر لہجے میں زمانے بھر کی حلاوت لئے کہنے لگیں۔

"میں جو یہاں آئی ہوں تو تم سے ملنے کے علاوہ بھی کچھ تھا۔ اتنی دیر سے یہاں رہ رہے ہو۔ تمہاری تنہائی کو دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔ آخر کب تک یونہی چلے گا۔"

"امی،" وہ کڑوے انداز میں مسکرایا۔ لہجے کی تلخی اتنی نمایاں تھی۔

"سچ مچ آپ کا جی کڑھتا ہے۔"

بات سن کر وہ چند لمحوں کو خاموش ہوگئیں۔ چپ چاپ اس کی صورت دیکھتی رہیں، یوں جیسے بہت صدمہ ہوا ہو۔ لمبا سانس لے کر بولیں۔

"مرنے والی کو زبان جو دے چکی ہوں"

وہ تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا۔

"مرنے والی تو مر گئیں۔۔ ان کی زبان کا اتنا پاس ہے اور میں تو ابھی زندہ ہوں میرے مرنے کا سامان آپ کیوں کر رہی ہیں"

وہ ایک دم سے کانپ گئیں۔

"نہ بیٹے ایسی بات نہ کرو"

"مجھے معلوم ہے آپ کی دلچسپی کیا ہے۔ وہ لاکھوں کی جائداد جس کی وہ بلاشرکت حقدار ہے آپ اپنے بیٹے کا سودا کرنا چاہتی ہیں یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں جس کی زندگی سے ناطہ جوڑنا ہے اُس کی صورت دیکھنے کو دل نہ چاہے۔ محترمہ کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ ڈھنگ سے کپڑے پہننے کا قرینہ نہیں۔ ذہن صدیوں پہلے کا پایا ہے"

"ایسی بات نہیں کرتے"

وہ لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتا"

"بچپن کے رشتے توڑے نہیں جاتے"

"آپ کی دقیانوسی باتیں ہیں"

"تم دل چاہے تو دوسرا بیاہ بھی کرلینا"

وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔ لہجے میں جھلکتا طنز تھا۔

"اور جو آپ مرنے والی کے سامنے شرمندہ ہوں گی"

"وہ تو اب بھی ہو رہی ہوں"

"تو پھر کم زیادہ کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کی شرمندگی دیکھوں یا اپنی خوشیاں۔ مجھ سا انسان اس سے ساتھی کے ساتھ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہرحال نہ آپ کو میری خوشیوں کا خیال ہے اور نہ ہی میں آپ کے جذبات کا پاس کر سکتا ہوں۔ بہتر ہے اس موضوع پر بات ہی نہ کی جائے"

"آخر کب تک۔ تمہارے ڈیڈی تو پریشان ہیں"

"میں کون سا خوش ہی ہوں"

"پھر"

"پھر کیا۔ میرا فیصلہ آپ کو معلوم ہی ہے"

"بہت ضدی ہو"

"تھا نہیں۔ ہو گیا ہوں"

"دل دکھاتے ہو میرا"

وہ ہنس پڑا۔ آہستہ سے کہنے لگا۔

"میرا غم چھوڑ دیں۔ اوروں کے مستقبل کے متعلق سوچا کریں۔ میں تو اور دو ایک سال یہاں ہوں۔ شاید ہمیشہ کے لئے کسی اور ملک میں جا رہا ہوں"

فریحا جو اتنی دیر سے خاموش بیٹھی تھی ہنستی ہوئی اس کی طرف مڑی۔

"بھیا مجھے بھی ساتھ لے چلنا"

وہ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا۔ کھانا ایک ساتھ کھائیں گے۔"

"شجاع بھی آنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے شاید صباحت بھی ساتھ ہی ہو۔ آپا اور بھائی دونوں کو میرے آنے تک روکیں۔"

وہ تیز تیز چلتا ہوا گاڑی میں جا بیٹھا۔ موٹر سٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے باہر نکال لے گیا۔ مین روڈ تک آتے آتے گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ کار ہمیشہ تیز رفتاری سے چلانے کا عادی تھا۔ کچھ لاپرواہی سے بھی یوں جیسے اپنی پرواہ بھی نہ ہو اور یہ اتفاق ہی تھا کہ آج تک اُس کی کار کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا تھا۔

ایک ہاتھ سٹیرنگ پر رکھے رکھے اُس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا دو ایک لمبے لمبے کش لئے۔ چہرے پر پہلی سنجیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ہمیشہ کی وہ سوچ اُس کے چہرے پر چلی آئی تھی جو عجیب سی بے چینی عطا کر جاتی تھی۔ ان دنوں وہ خود کو کھویا کھویا محسوس کرتا۔ وہ سوچ جو ہزار کوششوں سے ذہن سے اُتارتا پھر سے اپنا تسلط جما لیتی۔

شہناز اُس کی پھوپھی کی بیٹی تھی۔ اُس کی بچپن کی منگیتر۔ بے اندازہ زمینوں کی مالک صورت کی بُری نہ تھی۔ عادات رکھ رکھاؤ میں گاؤں کا وہ مخصوص انداز جھلکتا۔ فصلوں کی کٹائی، بوائی کے متعلق باتیں کرتی ہوئی اپنی عمر سے کہیں بڑی معلوم ہوتی۔ گھریلو باتوں کے سوا اُسے کبھی کوئی بات نہ سوجھی۔ ادب، آرٹ، موسیقی، فلسفہ، ہر شے اُس کے نزدیک بے معنی تھا۔ منصور ذہنی طور پر اس سے میلوں پرے تھا۔

اُس کی دلچسپیاں اور بھی تھیں۔ لکھنے لکھانے سے ہمیشہ دلچسپی رہی۔ اکثر کسی نہ کسی رسالے میں اُس کے دقیق مضامین شائع ہوتے رہتے۔ کسی نہ کسی محفل میں مقالے پڑھ رہا ہوتا۔ داد وصول کر رہا ہوتا۔ دوستوں میں بہت مقبول تھا۔ اگرچہ مزاج میں کرختگی تھی لیکن اُس کی باتوں کا کوئی بُرا نہ مناتا۔ کرختگی کے پیچھے جو خلوص چھپا ہوتا وہ نمایاں ہوتا۔ شادی کا مسئلہ درپیش ہوا تو وہ تعلیم کے بہانے امریکہ بھاگ گیا۔ چند سال اِدھر اُدھر گھوم کر گھر والوں کے بے شمار دم دلاسوں کے بعد واپس آیا تو پہلے سے کہیں ضدی اور خود سر ہو چکا تھا۔ شہناز کا مسئلہ پھر اُٹھا تو اس نے ڈھٹائی سے انکار کر دیا۔ گھر میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ چند دنوں بعد سروس کے سلسلے میں دوسرے شہر بھاگ آیا۔ ذہنی طور پر خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ ہر قسم کی دلچسپیوں میں خود کو اُلجھائے رکھا۔ خود کو کبھی سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

امی اور بہنیں جب بھی آتیں، وہ مقدور بھر کوشش کرتا کہ یہ ذکر نہ چھڑے۔ لیکن اس سے مفر نہ تھا کسی نہ کسی صورت یہ ناخوشگوار بات درمیان میں آ ہی جاتی۔ آج بھی یہی ہوا تھا، اُس کے ذہن پر ایک دم سے یہی غبار آ گیا تھا، دل پر جیسے منوں بوجھ آ گرا ہو۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ سوچتا رہا جھنجھلاتا رہا۔ بھلا شہناز کا بیاہ کہیں اور کیوں نہیں کر دیتے۔ کسی ایسے انسان سے جسے اِن سطحی چیزوں سے پیار ہو۔ پیسہ ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔ بیوی کے گھر میں ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو ایک اضافی سی چیز ہے۔ اپنی دلچسپیاں باہر بھی تو قائم رکھی جا سکتی ہیں۔ اکثر لوگ یہی سوچتے۔ لیکن وہ اپنی طبیعت کا کیا کرتا جو کسی صورت مانتی ہی نہ تھی۔ ذہنی وابستگی کے بغیر وہ کسی سے بھی یہ ناطہ جوڑنا نہ چاہتا تھا اور یہ ذہنی وابستگی پیار قسم کی چیز کسی سے اب تک نہ ہو پائی تھی۔

دوستی، جان پہچان بہت سے دوستوں سے تھی۔ ایسی ایسی۔۔۔۔۔لڑکیاں جو حسین کہلائی جاسکتی تھیں باتیں کرنے میں دل نشین، بہت دل چسپ۔ لیکن یہ دل چسپی چند دنوں تک ہی رہتی۔ کبھی لڑکیاں چھوڑ جاتیں، کبھی اس کا اپنا جی بھر جاتا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ غیر سنجیدہ ہوتے کھیل رہے ہوتے اور دونوں کو ہی اس بات کا احساس ہوتا۔

امریکہ میں بھی اس کی چند ایک لڑکیوں سے دوستی تھی۔ کچھ کے ساتھ سنجیدہ قسم کے تعلقات بھی تھے۔ اتنی دور اُسے بیاہ کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ کچھ اپنا ہی دل نہ مانا۔ واپس آکر چند روز تاسف رہا۔ پھر بھول بھال گیا۔ یہاں سروس اچھی تھی۔ دفتر کے مقررہ اوقات۔ اور پھر آکر واپس گھومنا پھرنا۔ دوست، دعوت پارٹیاں۔ حسین قہقہے۔ دل نشیں مسکراہٹیں۔ دل ہی بہلانا ہو تو بیسیوں مشاغل ہیں، مگر ان باتوں کا عادی ہونے کے باوجود کبھی کبھی اُکتا جاتا۔ جھنجھلاہٹ سی کہ زور دل پر چلی آتی۔ کسی کام کے کرنے کو دل نہ ہوتا۔ ایسے میں وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی لئے سڑکوں پر مارا مارا پھرتا۔ بیکار ادھر اُدھر کے چکر لگاتا رہتا۔ رات کو دیر سے واپس آتا اور پھر بغیر کھانا کھائے سو رہتا۔

اُس روز وہ گھوم کر واپس آیا تو شجاع اور صباحت بھی آچکے تھے۔ کھانے کے کمرے سے پلیٹوں، چمچوں اور ہلکی ہلکی باتوں کی آواز آرہی تھی۔ وہ سیدھا اُدھر ہی چلا گیا۔ کھانا شروع ہوچکا تھا۔ اُسے دیکھ کر کچھ تعجب ہوا پھر ہلکے سے مسکرا دیا۔

"ہم غریبوں کا کوئی انتظار ہی نہیں کرتا۔"

شجاع اُس کا بہنوئی بڑا زندہ دل تھا۔ خاصی بھاری بھرکم رعب دار سی شخصیت

شرارت سے اُس کی طرف دیکھا، پھر ہنستے ہوئے بولا۔
"ان غریبوں کے انتظار میں ہم تو سُوکھ چلے تھے۔ سوچا ہمیشہ کی طرح تم بھول بھی گئے ہو گے کہ گھر واپس بھی جانا چاہیئے۔ کیوں۔"
"اب ایسی بھی عادتیں خراب نہیں ہوتیں۔"
شجاع نے حیرت کا اظہار کیا۔
"واقعی!"
امی نے لمبا سانس لیا۔
"عادتیں تو تمہاری پہلے سے بہت بدل گئیں۔ ایسے تو کبھی نہ تھے۔"
شجاع اُسے دیکھ کر مسکرایا۔
"امی کو شکایت ہے تم سے۔"
وہ سر جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ جواب کچھ نہ دیا۔ کھانے کے بعد سب ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ باتیں ہوتی رہیں اور پھر موضوع ہمیشہ کی طرح منصور پر آ گیا۔ صباحت نے بات چھیڑی تھی۔ بولی۔
پھوپھا جان چند دنوں کے لئے آ رہے ہیں۔ شہناز بھی ساتھ ہی ہو گی۔ میں اور شجاع اُن کے آنے پر چھوٹا سا ڈنر دے رہے ہیں۔ کچھ دو ایک رشتہ دار بھی ہوں گے اور کچھ ملنے ملانے والے۔ ایک اور نئی فیملی بھی ہے، شجاع کے جاننے والے بہت دلچسپ لوگ۔"
منصور از راہِ مذاق بولا۔
"ضروری ہے کہ یہ پارٹی پھوپھا جان اور اُن کی صاحبزادی کے اعزاز میں ہی ہو۔

اس کے علاوہ بھی تو ہو سکتی ہے۔"
صباحت ہنس پڑی۔
"دراصل یہ تجویز شجاع ہی کی تھی۔ تاکہ شہناز بھی کچھ محفلوں کے آداب جان جائے"
منصور کے ماتھے پر شکنیں آگئیں۔
وہ بے چاری بھلا کیا جائیں۔ انھیں تو گندم اور کپاس کی یاد ستا رہی ہوگی۔
شجاع بولا۔
"منصور میاں۔ یہ خدا واسطے کی دشمنی اچھی نہیں"
وہ ہنس پڑا۔
"یہ تو بہت بالواسطہ قسم کی دشمنی ہے"
امی پوچھنے لگیں۔
"وہ لوگ کب آرہے ہیں۔ مجھے تو کوئی اطلاع نہیں"
ایک دو روز میں پہنچ جائیں گے۔ شہناز کالج میں داخلے کے متعلق سوچ رہی ہے۔ پھوپھا جان کو اپنا کوئی کام تھا۔ کوئی کاروباری مصروفیت" صباحت نے جواب دیا۔
"آپ بھی رک جائیں۔ اُن سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر اتنے دنوں بعد آئی ہیں۔ منصور کا دل بھی لگے گا"
شجاع ذرا سا نزدیک جھک آیا۔
"کیوں بھئی ۔۔ دل ان کے ہونے یا نہ ہونے سے لگتا ہے"
وہ ہنس کر چپ ہو رہا۔

"آپ کو کیوں اتنی فکر ہے؟"

"تاکہ تمھارا دل لگانے کی کوشش کی جا سکے۔"

"فی الحال ضرورت نہیں۔"

"جب ضرورت محسوس ہو بتا دینا۔ شاید تمھاری کچھ مدد کی جا سکے۔"

منصور نے آنکھ ماری

"غلط قسم کی نہ ہو۔"

انھوں نے سر ہلایا۔

"بے فکر رہو۔"

اسی وقت ہی کریم ٹرالی اندر لے آیا۔ منصور نے رُخ صباحت کی طرف کر دیا۔

"امید ہے آپ کافی بنانے میں مدد کریں گی۔"

"ضرور بھیا۔ اور کون کرے گا۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے پیالیوں میں کافی انڈیلنی شروع کر دی۔

سائرہ تیار ہو کر باہر آئی تو اتنا سج رہی تھی۔ گہرے رنگ کی ساری میں اُس کی رنگت سنہری ہو گئی تھی۔ ہلکا سا میک اَپ چہرے پر اتنا بھلا لگ رہا تھا۔ راہداری میں سے گزرتے ہوئے عائشہ کے کمرے میں جھانکا وہ بستر پر اوندھی لیٹی ٹانگیں ہوا میں معلق کئے کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ سائرہ کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔ پلکیں جھپک جھپک کر دیکھتی رہی۔

"ہو و یدی۔ آپ نے تو پریشان کر دیا"

"میرے خیال میں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں"

"سواری کدھر جا رہی ہے۔ بنا بتائے۔ کوئی خبر دئے بغیر ایسی زبردست قسم کی تیاریاں کر ڈالیں"

سائرہ مسکرا دی۔

"کوئی خاص چونکنے والی بات نہیں رانی۔ وہ شجاع ہیں نا یونی ورسٹی کے ——— ان کے اُدھر پارٹی ہے"

"اور کون کون آرہا ہے"

"یونی ورسٹی کے دو ایک لوگ ہیں۔ اور خبر نہیں۔"

"خیر سدھارو۔ تم سے اور توقع ہی کیا تھی۔"

گاڑی عین وقت پر ریحان لے گیا۔ سائمہ کو خاصی پریشانی ہوئی ٹیکسی کا انتظار الگ کرنا پڑا۔ وہاں پہنچی تو دیر ہو رہی تھی۔ سبھی لوگ اندر ڈرائنگ روم میں تھے۔ شجاع باہر آیا اور ہاتھ سے پکڑ کر اُسے اندر لے گیا۔ بہت سے لوگوں سے تعارف ہوا۔

منصور سے ملاتے ہوئے شجاع بولا۔

"یہ ہماری بیگم صاحبہ کے بڑے پیارے بھائی ہیں۔ بڑے نازک مزاج۔ موڈ بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ اس لئے ذرا خبردار رہیئے گا۔"

سائمہ نے ذرا غور سے اُسے دیکھا پینتیس چھتیس برس کا اونچا لمبا انسان تھا۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ بڑے مہذب انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ خاصا معقول لگا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

وہ رسمی سا فقرہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اپنی دوستوں کے پاس آ بیٹھی۔ اِدھر اُدھر کی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ سائمہ اس دوران میں اردگرد کا جائزہ لیتی رہی۔ شجاع کا گھر بہت خوبصورت تھا، بہت سلیقے سے سجا ہوا۔ صباحت کو ایک دو بار وہ پہلے بھی مل چکی تھی۔ گھر آنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ یونیورسٹی کی دوستوں کے ساتھ بیٹھی وہ خوش باش تھی۔

منصور گلاس ہاتھ میں تھامے اندر آیا تو سامنے سے آتی ہوئی شہناز کو دیکھ کر۔

ایک دم سے ہی رُک گیا۔ پیشانی پر شکن لئے گردن ذرا سی خم کئے اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ ہونٹوں پر بہت کٹیلی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ شہناز چمکدار قسم کے کپڑے کی شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔ چہرے کا میک اپ اتنا ہی شوخ تھا کہ بُرا لگے۔ اُس کا کچھ اپنا ہی انداز تھا۔ ہلکا سا گنوارپن جھلکتا۔ منصور کو یوں گھورتا دیکھ کر وہ سرخ ہوگئی۔ جلدی سے دوسری طرف مُڑنے کو ہی تھی کہ منصور نے روک لیا۔ اپنے مخصوص لاپرواہ انداز میں بولا۔

"سنا ہے آپ کو کبھی پڑھائی کا شوق ہوا ہے۔"

وہ گڑبڑا گئی۔

"کیا مطلب"

"آپ کی آمد یہاں کس سلسلے میں ہے۔"

"یونہی" وہ تیزی سے بولی۔

"یہاں آنے پر کوئی پابندی تو نہیں۔ پھرا آجان آرہے تھے۔ میں نے سوچا سیر ہی رہے گی۔ خالہ جان سے ملاقات ہو جائے گی اور آپ سے بھی۔"

وہ زور سے ہنسا۔ بڑے تضحیک آمیز انداز میں۔ کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔ شہناز کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر بڑی بے رخی سے بولا۔

"مجھے تو آپ معاف ہی رکھیئے۔"

وہ گلاس تھامے ہی تھامے دوسری طرف چلا گیا۔ ایک کونے میں کھڑے ہو کر وہ آہستہ آہستہ پیتا رہا۔ کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہاں کتنی ہی لڑکیاں تھیں۔ کچھ یونیورسٹی کی لیکچرز اور کچھ صباحت کی ملنے مارنے والی۔ اُس کی نظریں ایک ایک پر

کھلتی رہیں۔ کبھی تعریفی انداز میں اور کبھی لاتعلقی سے۔ سائمہ ایک کونے میں بیٹھی تھی کچھ چپ چاپ سی۔ چہرے پر بڑی خوبصورت سی مسکراہٹ لئے۔ آنکھوں میں سنجیدگی اور مطمئن سی جھلک۔ منصور نے دیکھا۔ ایک بار۔ دوبارہ پھر نیچے تلے قدم اُٹھاتا ہوا چہرے پر سوچ کی ہلکی سی جھلک لئے اس کے پاس آ گیا۔ ذرا سا جھکتے ہوئے بولا۔

"آپ کچھ نہیں پی رہیں"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

"میرا گلا خراب ہے"

"برف نہ ڈالیں"

"جی نہیں شکریہ۔ کچھ دل ہی نہیں چاہ رہا"

منصور نے گلاس پاس پڑی تپائی پر رکھ دیا۔ اجازت لے کر پاس ہی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ سائمہ کی مصروفیات کے متعلق پوچھتا رہا۔ وہ رک رک کر سنجیدگی سے باتیں کرتی رہی۔ بتاتی رہی، ذکر شجاع تک آیا تو مسکراتے ہوئے بولی۔

"اچھے دل چسپ انسان ہیں۔ یونی ورسٹی میں ان کے ہونے سے رونق رہتا ہے" منصور نے ایک ابرو اُٹھا کر اُسے دیکھا، شوخ لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اور آپ کے ہونے سے"

اُس نے حیران ہو کر منصور کو دیکھا۔ انداز اور لہجہ پہ ہنسی آ گئی، ہونٹ دبا کر بولی۔ "میں نے ابھی جوائن کیا ہے۔ خود کو ہی عادی کر رہی ہوں، اندر لوگوں کو دیکھ رہی ہوں اپنے متعلق تو کچھ اندازہ نہیں"

"صباحت آپ کی تعریف کرتی تھی۔"

"ذرہ نوازی ہے اُن کی۔"

کھانا شروع ہوا تو منصور بھی ان کے ساتھ اُٹھ کر آ گیا سرو کرتے ہوئے ہنستا مسکراتا ہوا باتیں کرتا رہا۔ صباحت پاس سے گزری تو خوش دلی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کچھ شہناز کی بھی خاطر و مدارات کرو بھئی۔"

وہ تیکھے انداز میں پوچھنے لگا۔

"وہ کیوں ــــ!"

"کچھ حق ہے اس کا بھی۔"

بُرا منہ بنا کر بولا۔

"کیوں بور کرتی ہو آپا۔"

"ارے بھیّا ــــ" وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"اب تو وہ پہلے سے بہت بدل گئی ہے۔ پھر بھی تمھارے دل کو نہیں لگتی۔ دیکھو تو کتنا سج رہی ہے۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ تیز نظروں سے صباحت کو دیکھتا رہا۔ کچھ شکایتی سے انداز میں۔ پھر غیر ارادی طور پر ہی گردن گھما کر سامنے کو دیکھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے اپنی ایک ساتھی سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ صباحت نے لمبا سانس لیا۔ شرارت سے بولی۔

"اچھا بھئی تمھاری مرضی۔ اپنا کام تو سمجھانا ہی تھا۔"

وہ مڑکر دوسری طرف چل دی۔

رات کو سائمہ واپس آئی تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ کمرے میں جاتے ہوئے راہداری میں سے گزری۔ ڈرائنگ روم سے باتوں کی آواز آرہی تھی اور ہلکی ہلکی مدھم موسیقی۔ پردہ ذرا سا کھسکا کر جھانکا، کونے والی کرسی میں عائشہ نیم دراز آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔

"ارے۔ کیا ہو رہا ہے؟"

سائمہ نے وہیں دروازے میں سے آواز لگائی۔ عائشہ چونکی آنکھیں کھولتے ہوئے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ سائمہ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"ڈرا دیا ــــ میں سمجھی خبر نہیں کون ہے؟"

"رانی کن خیالوں میں تھی؟"

"بڑے خوبصورت خیال تھے۔ تم نے یوں اچانک آکر پٹڑی سے ہی اتار دیا۔ ابھی واپس آئی ہو؟"

"ہاں؟"

"ریحان کی واپسی نہیں ہوئی؟"

"امید ہی نہ تھی۔ گھوم رہا ہو گا۔ اپنی اس چھپکلی شلجم کے ساتھ؟"

عائشہ مسکرا دی۔

"بھئی دیدی یہ ناانصافی ہے۔ سفید وہ ضرور ہے، لیکن چھپکلی کوئی نہیں۔ ہاں ذرا اونچائی بہت ہے۔ ریحان کو چار قدم آگے یا پیچھے ہی رہنا پڑتا ہے؟"

اس کی تعریفیں کر کر کے تم نے ریحان کا مزاج خراب کر دیا ہے"

"کیا حرج ہے؟"

"ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔"

"وہ تو نکل گیا۔ اب کیا باندھ کر رکھو گی۔"

"امی خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں تم لوگوں کی ان حرکات سے۔ اور لاوا سارا مجھ پر گرتا ہے۔"

عائشہ ہنس پڑی۔

چہیتی بھی، تو تم ہی ہو ان سب کی۔ آج بھی کوئی امی ابو سے پوچھے تمہارا ذکر آتے ہی چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ صدقے واری ہونے کو تیار رہتی ہیں۔"

سائمہ مسکرا دی، بولی کچھ نہیں۔ اُٹھ کر ریڈیو گرام پر دو تین شوخ دھنوں والے ریکارڈ لگا دیے۔ عائشہ نے کسلمندی سے دو تین جمائیاں لیں پھر بولی۔

"کیا بات ہے دیدی۔ بہت خوش معلوم دیتی ہو۔"

"بس ایسے ہی ہے۔"

"تمہارے وہ شجاع صاحب کی پارٹی کیسی رہی۔"

"اچھی۔ دلچسپ۔"

"کوئی قابلِ ذکر شے۔ کوئی ہستی۔"

سائمہ ہنس پڑی۔

"بنو میں نے اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا۔ غور ہی نہیں کیا۔"

"یہ باتیں بنا غور کئے ہی پتہ چل جاتی ہیں۔ کوئی خاص طور پر دیکھنا تھوڑی پڑتا ہے۔ قابلِ ذکر شے تو اپنے آپ ہی نظر میں آجاتی ہے۔ دل میں اُتر جاتی ہے۔"

"ہو بڑی ہوشیار۔"

"اور کیا۔ تمھاری طرح۔"

"بھئی اپنا کیا ہے۔ سیدھے سادے لوگ ہیں۔ ان باتوں کی گہرائیوں کا کیا علم۔ کبھی سوچا ہی نہیں۔ میں تو چل دی۔"

"امی تمھیں یاد کر رہی تھیں۔ پریشان ہو رہی تھیں۔ ذرا ملاقات کرتی جاؤ۔"

"پریشانی کس بات کی۔"

وہ ہنس پڑی۔

"بھئی چھوٹی سی بچی جو ہو۔ شام کو گھر سے تنہا جاؤ گی تو لوگ پریشان نہیں ہوں گے تو کیا خوش ہوں۔ سو طرح کے وسوسے دل میں آتے ہیں۔ کیوں۔"

"باتیں بہت بنانے لگی ہو۔"

عائشہ نے ہاتھ ہلایا۔

"جائیے۔ نبٹ آئیے ذرا۔"

"امی تو سو بھی گئی ہوں گی۔"

"انھیں نیند کہاں آئے گی۔"

"کیوں ـــــ!"

وہ شرارت سے مسکرا دی۔

"یوں بھی اکثر جاگا کرتی ہیں، اور آج تو جب تک تم سے ملاقات نہ کر لیں کیسے سو جائیں گی۔ اور دادی محترمہ بھی خفا ہیں۔ ارشاد فرماتی ہیں عائشہ دیدی کو بگاڑ رہی ہے سنتی ہیں۔"

"بکواس نہ کیا کرو۔ بات بہت بڑھاتی ہو۔"

"اچھا پھر جان چھوڑو۔"

سائمہ پرس اُٹھا کمرے سے باہر آئی۔ راہداری میں آہستہ آہستہ قدموں سے جاتے ہوئے سوچا یہ عائشہ بھی عجیب ہی ہے۔ اپنا ہی انداز ہے اس کا۔ سوائے دلچسپ باتوں اور اُلٹی سیدھی حرکتوں کے اور کوئی خوبی ہی نہیں۔ پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔ گھر کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ سونے پر سہاگا۔ بھائیوں کے لاڈ نے ناس کر دیا ہے۔ اپنی تو اُلٹی سیدھی دوستیں ہی ہیں۔ ہر مزاج اور ہر رنگ کے مردوں سے تعارف ضرور ہی کروائیں گے۔ نہ بھی کروائیں تو عائشہ کونسا پیچھے رہنے والی ہے۔ خود ہی شناسائی کر لے گی۔

امی کے کمرے میں روشنی نہ جل رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں دروازے ہی سے واپس آگئی۔ شاید سو گئیں۔ اپنے کمرے میں آکر اُس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے چپ چاپ بستر میں لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کئے سو جانے کی کوشش کی۔

شام کو منصور، امی اور بہنوں کے ساتھ لان میں ہی چائے پی رہا تھا۔ بہت دنوں کے بعد شام کو اس وقت وہ گھر میں تھا۔ عام طور پر اس کا یہ وقت بہت ہی مصروف گزرتا۔ کہیں نہ کہیں آنا جانا ہوتا اور کچھ نہیں تو خود ہی گھومتا پھرتا رہتا۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کریم باہر آیا۔ صباحت کا فون تھا، منصور لپک کر اندر چلا گیا۔ وہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی۔

"منصور یوں کچھ لگتا ہے تم پردے میں بیٹھ گئے ہو۔"

"کیوں آپا!"

"بھئی دنوں ہو جاتے ہیں تمھاری صورت دکھائی نہیں دیتی۔"

"وہ — آپ نے مصیبت جو گھر میں ڈال رکھی ہے۔"

"شہناز —!"

"اور کیا"

"تمھیں وہ کیا کہتی ہے۔"

وہ تنگ آ کر بولا۔

"آپا کیسی بات کرتی ہو۔ تم بھی یہی کہو گی کیا۔ سبھی کچھ تو جانتی ہو۔ قصور میرا ہی سمجھو لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

"خیر" وہ ہنس پڑیں۔ "تم آؤ تو سہی میں اسے کہیں غائب کر دوں گی اور تمہاری اس الرجی کے بارے میں بھی تفصیل سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ پھوپھا جان تو جانے کا نام ہی نہیں لے رہے۔ ہو سکتا ہے شہناز کو یہاں ہی چھوڑ جائیں۔"

وہ چونک پڑا۔

"ارے آپا۔ یہ زیادتی بھی نہ کیجئے گا۔"

"میں خود بھی نہیں چاہتی۔ ورنہ تم تو گھر کا رستہ ہی چھوڑ جاؤ گے۔"

وہ چُپ رہا کچھ جواب نہ دے سکا۔ صباحت پھر بولی۔ بات ختم کرنے کو کہنے لگی "خیر شام کو تم آؤ تو سہی۔ کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

"اچھا"

ریسور رکھ کر وہ کتنی ہی دیر کھڑا رہا۔ کچھ سوچتا رہا۔ کریم کسی کام سے راہداری میں آیا۔ اُسے یوں کھڑے دیکھ کر حیران ہوا لیکن بولا کچھ نہیں۔ منصور نے جیب سے سگار نکالا۔ لائٹر سے سلگایا۔ ایک دو کش لئے اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر آگیا۔

"تمھاری چائے ٹھنڈی ہو گئی۔" امّی نے اُس کی طرف دیکھا۔

"اور بناؤں۔"

"جی بنا دیجئے۔"

وہ کسی سوچ میں کھویا کھویا بیٹھا رہا۔ امّی اور ثروت کی باتوں کا ہوں ہاں میں

جواب دیتا رہا۔ چائے خاموشی میں ختم ہوگئی۔ کریم برتن اٹھا کر لے جا رہا تھا منصور بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ چلیں گی امّی۔ صباحت کے اُدھر جا رہا ہوں۔"

"میں تو تھک گئی۔ ثروت کو لے جاؤ۔"

وہ ثروت کی طرف مڑا مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیوں منی۔ ہے کوئی دلچسپی۔ چلی چلو، پھر تو ایک دو روز میں تم نے چلے ہی جانا ہے، واپسی میں شجاع بھائی تمھیں ڈراپ کر دیں گے۔ مجھے شاید کہیں اور جانا پڑے۔"

ثروت اٹھ کھڑی ہوئی ایک ہاتھ سے بالوں کو برابر کیا۔

"ایک منٹ بھیا۔ میں ابھی آئی۔"

منصور نے اُس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ پیشانی پر ہلکی سی شکن تھی۔

"کیوں کوئی کسر رہ گئی ہے۔"

"ذرا بال ٹھیک کر لوں۔"

"گھنٹوں نہ لگا دینا۔ تمھارے یہ رنگ برنگے جوڑے نہ جانے کتنا وقت لیتے ہوں گے سیدھے سادے بال نہیں رکھ سکتی ہو کیا۔ چلو کسی دن تمھیں لے کر چلوں۔ کٹوا لو اس روز روز کی دقت سے تو بچ جاؤ گی۔ پریشان حال ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی رہتی ہو۔"

ثروت ہنس پڑی۔

"جتنی دیر میں لیکچر دیا اتنے میں تو میں واپس بھی آجاتی۔ خیر اب یونہی چلئے — گاڑی میں ہی ٹھیک کر لوں گی۔"

منصور نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔

"بہت اچھے"

اور دوسری طرف مڑ گیا۔

گاڑی گیٹ کی راہ داخل ہوئی تو ہیڈلائیٹس سامنے ہی بیٹھی شہناز پر پڑیں۔ وہ بہت سستی سے سیڑھیوں میں بیٹھی تھی۔ انھیں دیکھ کر پریشان سی ہوئی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

منصور نے غور سے اُسے دیکھا۔ مذاق اُڑانے کے سے انداز میں بولا۔

"آپ یہاں کس شوق میں بیٹھی ہیں"

وہ گڑبڑا گئی۔ سرخ ہوگئی۔

"جی بس یونہی۔ مجھے معلوم نہ تھا"

ثروت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کہ ہماری سواری آرہی ہے۔ ورنہ نہ بیٹھتیں۔ ارے پھر کیا ہوا، تمھاری مرضی بیٹھ گئیں۔ کسی کو کیا اعتراض" وہ اسے بازو سے تھام کر ہنستی ہوئی اندر لے گئی۔ شجاع کے کچھ ملنے والے آئے ہوئے تھے۔ منصور وہیں ڈرائنگ روم میں ہی آگیا۔ جاتے ہوئے ذرا سی دیر صباحت سے بات ہوئی وہ خاصی سنجیدہ تھی۔

"منصور پھوپھا جان اب کے بہت سیریس ہیں۔ شاید کسی حد تک بات کو سمجھتے بھی ہوں۔ لیکن انھیں حیرت اس بات پر ہے کہ امی جان تاریخ کیوں مقرر نہیں کرتیں۔ وہ براہ راست ان سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ ابا جان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ واپسی میں شاید ایک دو دن وہاں رُکیں"

منصور خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے ہنس پڑا۔

" ابا جان سے مل کر کیا کریں گے؟"

" خبر نہیں۔ کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتے ہیں"

" پھر"

" کچھ نہیں۔ بات تم پر ہے۔ ابا جان بھی کیا کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تمہاری خوشی کا سوال ہے۔ اکلوتے بیٹے کی زندگی اور خوشی، اور دوسری طرف بہن سے کئے گئے وعدے کا پاس۔ بہت مشکل ہو گئی ہے۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتی"

" آپا آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں"

" پھر تم ہی کچھ کہو"

" زبان دینے کی ضرورت ہی کیا تھی"

" وہ تو دی جا چکی"

" اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ شہناز اگر بیاہ کے بعد ناخوش رہی تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ مجھ پر یقیناً نہیں۔ امی اسے بیاہ کر اپنے ہی پاس رکھیں گی۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ میں جیسے اب رہ رہا ہوں ویسے ہی بعد میں بھی ہوگا"

وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا مطمئن انداز لیکن بہت سنجیدہ۔ چلتے چلتے بولا۔

" امی آپ سے بات کر لیں۔ میں اس کے علاوہ اور کچھ کہنا نہیں چاہتا"

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا باہر آ گیا۔ صباحت کو سر اٹھائے پریشان اس کی طرف دیکھتے ہوئے پا کر۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔ کچھ سوچ کے آثار۔ بے مقصد ادھر سے ادھر گھومتے ہوئے وہ خود بھی بیزار معلوم ہوتا تھا۔

بُرٹ سے سٹور کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے وہ یونہی سوچ میں کھویا کھویا اندر چلا گیا۔ مختلف شوکیسوں میں جھانکتا رہا۔ اپنے لئے دو ایک کولون خریدے۔ خرید کر واپس مُڑ رہا تھا کہ دوسری طرف سے اندر داخل ہوتی ہوئی لڑکیوں کو دیکھ کر رُک گیا۔ ایک بار غور سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر خود بخود ہی مسکراہٹ آگئی، وہ سائمہ تھی۔ منصور نے غور سے دیکھا، اُس کے لباس میں شکنیں تھیں، جیسے لاپرواہی سے یونہی اُٹھ کر آگئی ہو۔ ساتھ کی لڑکی بڑی احتیاط سے کپڑے پہنے تھی۔ میک اَپ بھی خاص احتیاط سے کیا تھا۔

سائمہ نے بھی اُسے دیکھا۔ پہچان کی ہلکی سی چمک اُس کی آنکھوں میں آگئی۔ عائشہ کا بھی تعارف ہوا۔ منصور دونوں بہنوں کو دیکھ کر حیران ہوا۔ ایک میں شوخی تھی اور دوسری میں سادگی اور تمکنت اور اپنی اپنی جگہ دونوں ہی خوب تھیں۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر" وہ ذرا سا جھجکا۔

"کیسی رہیں؟"

"شکریہ"۔ سائمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"صباحت اور شجاع صاحب کیسے ہیں؟"

"خوش ہیں ابھی اُدھر ہی سے آرہا ہوں۔"

دو ایک اور رسمی سی باتیں ہوئیں۔ پھر دونوں اپنی اپنی راہ چل دیئے۔ سائمہ اور عائشہ کاسمیٹکس کی طرف چلی گئیں۔ منصور نے اپنی چیزوں کا بنڈل اُٹھایا اور باہر آگیا۔ ثروت کو لینے کے لئے دوبارہ آپا کی طرف آیا تو اُس کا موڈ قدرے بہتر تھا۔ شہناز کو دیکھ کر چُپ رہا۔ کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ شجاع کے مجبور

کرنے پر کھانا بھی وہیں کھایا۔ میز پر ایک ساتھ بیٹھتے ہوئے شہناز کی بڑبڑاہٹ اور تھوڑی بہت بد تہذیبی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ شجاع سے باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ کھانا کھاتا رہا، ہنستا مسکراتا رہا۔

واپس آئے تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ ثروت اس کے برابر ہی بیٹھی تھی۔ گھر ابھی تھوڑی دور ہی تھا۔ منصور سارا راستہ خاموش رہا تھا اب مڑ کر پوچھنے لگا۔

"شہناز سے تمھاری کوئی بات ہوئی؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"اچھا"

"آپ کے رویّہ کی شکایت کر رہی تھی۔"

"کیا ہوا میرے رویّہ کو؟"

"کہہ رہی تھیں ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں۔"

"وہ حقدار بھی تو اس رویّہ کی ہے۔"

ثروت ہنس پڑی۔

"بہت ڈرتی ہے آپ سے۔"

"کیوں؟"

"آپ کے موڈ کا کچھ پتہ جو نہیں چلتا۔" وہ ہنسی بیچاری کو پتہ ہی نہیں چلتا کب کیسی بات کرنی ہے۔ سوچ ہی سوچ میں موقع گزر جاتا ہے اور پھر جب بات ہو تو بے موقع ہوتی ہے۔"

منصور بھی ہنس پڑا۔

"بڑی شریر ہوگئی ہو منی۔ باتیں بنانی خوب آگئی ہیں۔ سناؤ تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے؟"

"چل رہا ہے بھیا۔ امید ہے پاس ہو ہی جاؤں گی۔"

"چلو اچھا ہے۔"

دونوں اندر گئے تو امی ابھی سوئی نہ تھیں انتظار کر رہی تھیں۔ ثروت اُن کے پاس چلی گئی۔ منصور ذرا کی ذرا رُکا۔ پھر سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے ہلکی ہلکی سیٹی بجاتا رہا۔ خود بخود ہی گنگناتا رہا۔ لیٹتے ہوئے ان دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا۔ جو ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ لیکن دونوں میں سے کون اچھی تھی۔ اس کا فیصلہ پہلی نظر اور پہلی ملاقات میں کوئی نہ کر سکتا تھا۔ سائمہ سے مل کر وہ متأثر ضرور ہوا تھا۔ اس سے باتیں بھی کی تھیں۔ خود کو خوش بھی محسوس کیا تھا، اور اب ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ کچھ فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ سائمہ کی شخصیت میں ایک پرسکون سا سحر تھا۔ عائشہ سراپا شعلہ تھی۔ اس کا انگ انگ بھڑکتا ہوا سا۔ باتیں کرنے کے انداز میں اتنی شوخی۔ آنکھوں میں ایسی خوبصورت سی چمک۔

منصور کے ماتھے پر شکن تھی، کچھ اُلجھن کے آثار لئے۔ اُس نے ہر خیال کو ذہن سے جھٹک کر سونے کی کوشش کی۔ اس وقت غیر ارادی طور پر ہی خیال شہناز کی طرف چلا گیا۔ اس کا سراپا اپنی تمام تر خامیوں کے ساتھ نظروں میں اُبھر آیا۔ بھڑکیلے کپڑے۔ اُجڈ سا انداز۔ لاپرواہی سے کیا ہوا میک اپ۔ اُسے جھرجھری سی آگئی۔ اب بھلا اُس کا سا سُلجھا ہوا انسان کیسے یوں زندگی گذار سکتا ہے۔

زندگی کا ساتھی ہی ساتھ دینے کے قابل نہ ہو تو سفر کیوں کر کٹے۔ کس چوراہے پر آکھڑا ہوا تھا وہ۔ اسے خود سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ بیزار سا ہو کر کروٹ بدل لی۔ تکیہ میں منہ چھپا کر سونے کی کوشش کی۔

لیکچر کے بعد سائمہ کلاس روم سے نکلی تو تھک گئی تھی۔ لڑکیوں کے بھانت بھانت کے سوالوں نے پریشان کر دیا تھا۔ رجسٹر سنبھالتے ہوئے سیڑھیاں اُتر رہی تھی کہ اچانک یاد آگیا۔ شام کو گھر میں چھوٹی سی پارٹی تھی۔ ریحان کے کسی دوست کا حال ہی میں بیاہ ہوا تھا اُس کے اعزاز میں۔ سائمہ نے سوچا شجاع اور صباحت کو بھی لگے ہاتھوں مدعو کر لیا جائے۔ بُلانا تو انھیں تھا ہی، اِسی بہانے مقصد پورا ہو جائے گا۔

شجاع کے دفتر سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ سائمہ نے اندر قدم رکھا۔ پردہ سرکا کر دیکھا اور ٹھٹھک سی گئی۔ منصور بیٹھا تھا اور چائے چل رہی تھی۔

"آؤ بھئی۔ کیوں رُک گئیں؟"

وہ خاموشی سے اندر آگئی۔ منصور احتراماً ذرا سا اُٹھا کچھ رسمی سی باتیں ہوئیں۔ شجاع نے کپ منگوایا۔ سائمہ کو چائے دیتے ہوئے بولا۔

"لو بھئی۔ تھکی معلوم ہوتی ہو۔ اپنا شکریہ ادا کرو۔"

"سچ مچ" وہ مسکرا دی۔

"اِس وقت کی چائے کے لئے تو میں واقعی شکر گزار ہوں۔"

پھر تھوڑی دیر بعد وہ مطلب کی بات پر آگئی۔ دعوت دیتے ہوئے تاکید کی تو
شجاع جلدی سے بولا۔

"بھئی صباحت کی طبیعت کچھ اچھی نہیں۔ وہ شاید نہ آئے اُس کی طرف سے
وعدہ نہیں کرتا۔ میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔"

سائمہ کو منصور کو بھی دعوت دینا پڑی تھی۔ اس کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

"آپ تو تشریف لائیں گے؟"

منصور کی بجائے شجاع نے جواب دیا۔

"یہ صاحبزادے بہت مصروف رہتے ہیں۔ جب تک دس بارہ مرتبہ فون نہ کیا جائے
ہم سے ملاقات تک نہیں کر سکتے۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی پروگرام پہلے سے موجود رہتا ہے۔"

سائمہ مسکرا دی۔ ایک بار منصور کی طرف دیکھا اور بولی کچھ نہیں۔

منصور کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، بڑے مہذب انداز میں بولا۔

"میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ کوشش کروں گا وقت پر آسکوں"

شجاع ہنس پڑا۔

"ارے منصور میاں۔ یہ تم بول رہے ہو مجھے توقع نہ تھی!"

سائمہ کرسی کھسکا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"شکریہ۔ اب میں چلوں گی!"

یونیورسٹی سے واپسی پر سائمہ گھر گئی تو عائشہ پہلے سے موجود تھی۔ شام کی پارٹی کے
لئے اہتمام اچھا سے ہو رہا تھا۔ عائشہ نوکر کو ساتھ لئے صفائی کروانے میں مصروف تھی۔
ڈرائنگ روم، گیلری، ساتھ کے کمرے سبھی چمک رہے تھے۔ مختلف کمروں سے مختلف چیزیں

لاکر ڈرائنگ روم کی سجاوٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سائمہ اندر داخل ہوئی تو سامنے ہی ریڈیو گرام پر اس کا پتھر کا خوب صورت مجسمہ رکھا تھا۔ وہ ذرا غور سے دیکھنے لگی۔ پہچاننے کی کوشش کی۔

"ارے عائشہ یہ میرے کمرے سے یہاں کیوں آگیا؟"

"دیدی۔ وہاں کون دیکھے گا۔ اس لئے میں یہاں لے آئی۔ لوگ آرہے ہیں۔ اتنا اچھا ذوق دیکھ کر متاثر ہوں گے۔ اور کیا پتہ کسی کا اس بات سے بھلا ہی ہو جائے"

"کس کا بھلا ہوگا۔ تمھارا؟"

وہ بے ساختگی سے ہنس پڑی۔

"کیا پتہ؟ لیکن یہاں اچھا نہیں لگ رہا کیا؟"

سائمہ ایڑیوں پر گھوم گئی۔ چاروں طرف غائر نظروں سے دیکھا۔ کسی بات پر ماتھے پر شکنیں آگئیں اور کبھی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔

"ارے یہ پھولدان امی کے کمرے سے یہاں لے آئیں؟"

"تو کیا ہوا دیدی۔ پھر واپس چلا جائے گا؟"

سائمہ نے منہ بنایا۔

"کبھی یہ تمھاری نمائشی عادات نہ گئیں۔ کبھی تو کسی چیز کو اپنے ڈھنگ پر رہنے دو۔ ہر بات میں شوخ رنگ۔ دکھاوا۔ خود فریبی، اوّل تو گھر میں ہنگامے یوں ہی دم لینے نہیں دیتے۔ پھر تمھاری یہ حرکات۔ چھوٹی سی پارٹی ہو۔ دو چار لوگ آرہے ہوں تمھیں سارا گھر اُلٹ پلٹ کر دینے کی ہوتی ہے۔"

"دیدی" وہ ایک ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

"اب اور کچھ نہ کہنا۔ ایک تو میں کام کروں اور باتیں بھی سنوں۔ یہ پینٹنگ دیکھتی ہو آج ہی خرید کر لائی ہوں کیسی ہے؟"

سائرہ دو قدم آگے بڑھ گئی۔ بڑی خوبصورت تصویر تھی۔ رنگوں کا امتزاج ایسا تھا کہ بہت خوشگوار تاثر چھوڑتا۔ وہ دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر ذرا سی گردن گھما کر عائشہ کو دیکھا۔

"کتنے میں لی؟"

"تم بتاؤ۔ اتنا ذرا سا ذوق تو تم میں بھی ہے؟"

وہ اُداسی سے مسکرا دی۔

"اپنے ذوق کو چھوڑو عائشہ رانی۔ اپنے پاس پوچھا ہے ہی کیا؟"

"تین سو میں لی ہے دیدی؟"

سائرہ نے ایک بار پھر تصویر کو غور سے دیکھا۔ لاپرواہی سے شانے جھٹکے چلنے کو مڑی تو عائشہ کی آواز نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

"پسند نہیں آئی؟"

آواز میں ہلکی سی مایوسی کی جھلک تھی۔ سائرہ نے مڑ کر دیکھا۔ چند لمحے دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے تو۔ لیکن فضول خرچ بہت ہو گئی ہو؟"

وہ ایک دم سے ہنس پڑی۔

"یہی تو زندگی ہے دیدی کھلا بازار ہے، استطاعت ہے تو جس پر دل آئے خرید لو؟"

"ہر شے خریدی نہیں جا سکتی؟"

"آج سب ممکن ہے۔ تمھارے یہ دقیانوسی خیالات نہ معلوم کب تک رہیں۔"

"خیر خوش رہو۔"

سائرہ پرس جھلاتی ہوئی اپنے کمرے کو چل دی۔

رات خاصا ہنگامہ رہا۔ پارٹی بہت کامیاب تھی۔ ہر کوئی اپنی جگہ مکمل تھا۔ ریحان کے دوست خوش تھے اور عائشہ کی سہیلیاں۔ سائرہ بہت اچھی میزبان تھی۔ ہر کسی کو خوش آمدید کہتے ہوئے اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ تقریباً سبھی مہمان آچکے تھے۔ شجاع دیر سے آیا تھا لیکن پہنچ گیا۔ منصور ابھی تک نہ آیا تھا۔ شجاع آیا تو مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"صاحبزادے تو نہیں آئے۔"

"آپ لائے ہوتے۔"

وہ ہنس دیا۔

"بھئی وہ کونسا میری انگلی پکڑ کر چلتا ہے۔ آزاد آدمی ہے جو دل میں آئے کرے۔"

کھانا شروع ہو چکا تھا۔ جب منصور آیا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اندر آیا تو بہت سے اجنبی چہرے دیکھ کر وہیں رُک گیا۔ سائرہ نے دیکھا تو مسکراتی ہوئی اُس کی طرف آئی۔ وہ عجلت میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے ایک ضروری کام کی وجہ سے دیر ہو گئی۔"

وہ فراخ دلی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ آ تو گئے اور دیر بھی کچھ ایسی نہیں ہوئی۔ کچھ لوگ ذرا دیر پہلے ہی آتے ہیں۔ آیئے شجاع بھی انتظار کر رہے تھے۔"

منصور نے غور سے دیکھا۔ وہ ہلکے سے رنگ کی ساری میں بڑی سادہ، پُر وقار سی لگ رہی تھی۔ چہرے پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ میں ایسا بھولا پن تھا۔ بڑے سیدھے سادے سے انداز میں وہ اُسے لوگوں سے ملوا رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ اپنی پلیٹ اُٹھائے اُس کی طرف آگیا۔ سائمہ نے دیکھا اور مسکرا دی۔

"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں آپ کو؟"

وہ عجلت میں بولا۔

"بالکل نہیں۔ ضرورت ہوئی تو خود ہی لے لوں گا۔ میں تو دراصل باتیں کرنا چاہ رہا تھا۔"

وہ مسکرا دی، بولی کچھ نہیں۔ آہستہ آہستہ کھانا کھاتی رہی۔ اس کی دلچسپ سی باتیں سنتی رہی کبھی کسی بات پر ہنس پڑتی۔ وہ آرٹسٹ بھی تھا سُن کر خوشی ہوئی۔ وہ اپنی مصروفیت کے متعلق بتاتا رہا۔ پھر ایک دم سے بولا۔

"کسی روز میں آپ کو اپنا اسٹوڈیو دکھاؤں گا۔ آیئے گا نا؟"

سائمہ نے غور سے اُسے دیکھا۔ یہ ایسا اکھڑ سا انسان کس قسم کا آرٹسٹ ہوگا۔ کیسی تصویریں بناتا ہوگا تجسس سا ہوا۔ دلچسپی سے بولی۔

"جی ہاں ضرور۔ مجھے خوشی ہوگی۔ عائشہ کو بھی تصویریں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ خبط کی حد تک۔"

"اور آپ کو؟"

"مجھے" وہ ہنس پڑی۔

"سبھی چیزوں کا شوق ہے۔ خبط کسی بات کا نہیں۔ میوزک کا شوق ہے سو وہ

سن لیتی ہوں ریکارڈ جمع کرتی ہوں۔ پھولوں سے دلچسپی ہے۔ لان میں انھیں دیکھ کر خوش ہو لیتی ہوں۔ توڑ کر سجانے کی حد تک دلچسپی نہیں۔"

وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

" ہر بات نامکمل حد تک کرنے کی عادتی ہیں؟"

" بس عادت ہو گئی ہے۔"

" خیر کوئی بُری عادت نہیں۔ نہ ہونے سے بہت بہتر ہے۔ مطالعہ کرتی ہیں؟"

" جب وقت ملے۔ نہ ملے تو دنوں گزر جاتے ہیں۔ کسی کتاب کو چھونے کو دل نہیں چاہتا۔ بہت بور ہوتی ہوں اور پڑھنے پر آتی ہوں تو ختم کئے بنا چھوڑا نہیں جا سکتا۔"

" شدت پسند ہیں آپ۔"

" کچھ ایسی نہیں۔ ہوں بھی تو صرف دو ایک باتوں میں۔"

" عائشہ اور آپ کی طبیعت میں بہت فرق ہے۔"

وہ حیران ہوئی پلکیں جھپکاتے ہوئے اُسے دیکھا۔

" آپ کو کیسے معلوم؟"

" بھئی ایک بار ملا جو تھا۔"

" وہ۔ سہرا ہے۔ اس ذراسی ملاقات میں کیا پتہ چلتا ہے؟"

وہ ہنس دیا۔ ہلکی سی ہنسی کچھ ایسا انداز جیسے سبھی کچھ جانتا ہو۔

" تب ملا تھا۔ خواہ وہ چند لمحوں کے لئے ہی تھا، لیکن اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ اور آج بھی تو دیکھ رہا ہوں۔"

" کیا فرق ہے؟"

اُس نے سائمہ کی طرف دیکھا۔ ہاتھ میں تھاما ہوا پانی کا گلاس بغیر پیئے ہی میز پر رکھ دیا۔ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"وہ فرق تو آپ کو بھی معلوم ہے"

"عائشہ بہت دلچسپ لڑکی ہے"

"وہ تو آپ بھی ہیں"

"جی" وہ اس غیر متوقع بات پر حیران ہوئی۔ پھر ہنس پڑی۔

"مذاق کرتے ہیں"

"بالکل نہیں"

سائمہ نے اُس کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھا اور چُپ ہو گئی۔ کسی بہانے سے دوسری طرف کھسک گئی۔ لیکن اس کی وہ نظریں جیسے اب بھی اس کا پیچھا کر رہی ہوں، تعاقب میں ہوں۔ اور ان نظروں کا احساس کر کے کتنی ہی بار اُس کے چہرے پر سُرخی آ گئی۔ کچھ سوچ کر جھنجلاہٹ سی ہوئی۔

سب لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ اندر ڈرائنگ روم سے میوزک کی ہلکی سی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔ عائشہ اور اُس کی سہیلیوں کے ملے جُلے قہقہے اور ہنسی کا شور بدستور تھا اور باہر ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی اور اس میں رچی پھولوں کی باس۔ سائمہ شجاع اور منصور کو رخصت کرنے ذرا دُور تک چلی آئی۔

شجاع ذرا سا جُھک کر بولا۔

"سائمہ بی بی۔ محفل بہت دلچسپ تھی اور کھانے بے حد لذیذ"

"شکریہ" وہ مسکرا دی

"صباحت کے نہ آنے کا مجھے افسوس رہا۔"

"پھر کبھی سہی۔"

منصور اُس کی طرف مڑا۔

اپنا وعدہ نہ بھولیے گا۔"

"جی" وہ حیران ہوئی، پھر ایک دم سے ہی اُس کی آنکھوں میں پہچان کی ہلکی سی چمک آ گئی۔ مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپ کا اسٹوڈیو ضرور دیکھیں گے۔"

شجاع ہنس پڑا۔

"سائمہ بی بی، یہ حرکت نہ کرنا۔ منصور کے اسٹوڈیو میں قدم دھرا تو دنگ توں حیرت زدہ رہ جاؤگی۔ ایسے ایسے لاجواب شاہکار ہیں۔"

منصور نے ان کی بات جھٹلائی نہیں، کھڑا مسکراتا رہا۔ سائمہ بولی۔

"پھر تو ضرور ہی دیکھا جائے گا۔"

وہ کندھے جھٹک کر بولا۔

"تمھاری مرضی۔ اپنا کام تو بتانا ہی تھا۔"

اور وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

سائمہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو میوزک کی تیز دھن کی آواز باہر تک آرہی تھی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اُسے پتہ چل گیا کہ اندر پھر کوئی ہنگامہ ہے۔ راہداری میں سے گزرتے ہوئے اُس نے ذرا سا جھانکا۔ عائشہ دُھن کے ساتھ ساتھ ناچ رہی تھی۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں آگئیں۔ اندر نہیں گئی۔ اُسے بُلانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ چپ چاپ باہر کے برآمدے میں آگئی۔ کتابیں اور بیگ وہیں تخت پوش پر ٹکا کر وہ دادی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے دادی"

وہ بیزاری سے اُس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

"طبیعت کیا ہوتی۔ اس گھر میں ہر کسی کو اپنی پڑی ہے۔ خود غرضی کی انتہا ہے ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ ہر پل ہلڑ بازی مچی رہتی ہے۔ عائشہ کے لچھن بگڑ رہے ہیں۔ بیٹوں کا کوئی حال نہیں۔ جانے اس گھر کا کیا بنے گا۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوتی ہوں"

سائمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"ابو سے کہا ہوتا"

"کیا کہوں اُس کی تو مت ماری گئی۔ اِس بڑھاپے میں خوار ہو رہا ہے"

سائمہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"آپ نے چائے پی"

"پی چکی"

"امی کہاں ہیں"

"وہ بیزاری سے بولیں۔

"سائمہ والی کوٹھی میں گئی ہیں۔ وہ بھی یہاں آکر بالکل ہی بدل گئیں"

سائمہ نے کچھ جواب نہ دیا، خاموشی سے کتابیں اٹھائیں اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ ڈرائنگ روم سے میوزک کی آواز بدستور آرہی تھی۔ پورچ میں گاڑی نہیں تھی۔ ریحان کہیں گیا تھا۔ ابو ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔ امی سائمہ والوں کے گھر میں دل بہلا رہی تھیں اور دادی باہر جائے نماز پر بیٹھی بڑبڑا رہی تھیں۔ سائمہ بڑی بور ہوئی۔ اب بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کسی کو ایک دوسرے کا پتہ ہی نہیں۔ وہ خلوص، وہ پیار نہ معلوم کیا ہوا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے وہ چپ چاپ بستر میں لیٹ گئی۔ چائے بھی نہیں پی۔ لائٹ بھی نہیں جلائی۔ خاموشی سے سوچتی رہی یہ وقت کس مقام پر لے آیا۔ زندگی میں سکون رہا ہی نہیں۔ ہر کوئی یوں چھٹ گیا ہے جیسے مدتوں کی قید سے آزاد ہوا ہو۔ یونہی سوچتے سوچتے وہ اونگھ گئی۔ غنودگی سی چھا گئی۔ کافی دیر کے بعد چونکی، وہ بھی کسی کے لائٹ جلانے پر۔ تکیہ سے سر اٹھا کر دیکھا وہ عائشہ تھی۔ ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ آنکھوں میں شرارت کی پرچھائیں لئے پلکیں جھپک

رہی تھی۔

"آپ کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی"

"آمد کا اعلان ہونا چاہیئے تھا کیا۔ میں آئی تو تم مصروف تھیں۔ کچھ ایسی مگن تھیں کہ ڈسٹرب کرنے کو دل نہ چاہا"

عائشہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی۔

"ایسی تو کوئی بات نہ تھی دیدی"

"خیر....." وہ مسکرائی

"اور سناؤ"

"ہاں" وہ یاد کرتی ہوئی بولی۔

"منصور کا فون تھا"

"کیا کہتا تھا"

"تمھیں پوچھ رہا تھا"

"پھر"

"پھر کیا۔ کہہ دیا کہ تم یونی ورسٹی سے نہیں لوٹیں حیران ہو رہا تھا۔ پوچھنے لگا۔ یونی ورسٹی اتنی دیر میں بند ہوتی ہے"

سائمہ کی پیشانی پر شکن آ گئی۔

"اسے ان باتوں سے کیا"

"کچھ ہو گا تو پوچھ رہا تھا"

سائمہ نے نظر اٹھا کر اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔ چہرے پر

پھیلی ہوئی شرارت پر غور کیا اور جیسے سمجھ گئی ہو۔

"اپنی طرف سے لگا رہی ہو نا"

"مجال ہے جو ذرا بھی جھوٹ ہو" وہ پلکیں جھپکتی ہوئی بولی۔

"یوں اس کا دل چاہ ضرور رہا تھا اور مجھے جلدی تھی۔ ریکارڈ چڑھا کر واپس آئی۔ ابھی دو ایک سٹیپ ہی لئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی، ٹرن، ٹرن، اور پھر اس کی وہ بھوری سی آواز۔ خواہ مخواہ بات کو لمبا کرنے کی کوشش۔ ویدی یہ بعض لوگ چرٹ ہی کیوں جایا کرتے ہیں"

"زیادہ نہ بولا کرو عائشہ۔ تمھارے دماغ میں پہلے ہی کچھ نہیں" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"ایسی بات کرتی ہو ویدی کہ انسان بدمزہ ہو جائے۔ کھانا کھائے بنا ہی سونے کا ارادہ کیا ہے کیا؟ یوں لیٹی ہو کہ جیسے اب صبح کو ہی اٹھو گی"

"بستر میں کھاؤں گی"

"یہ کیا عیاشی ہوئی۔ ابو ناراض ہوں گے"

وہ مسکرا دی

"ابو کی ناراضگی کے لئے اور بہت سی باتیں ہیں۔ یہ تو معمولی سی بات ہے"

"اور کون سی باتیں ہیں"

سائرہ ہنس پڑی۔

"ان کی پوری لسٹ وادی جان کے پاس ہے"

عائشہ نے لاپرواہی سے سر ہلایا۔ لند ھے جھٹا ہوئی بولی۔

"دادی کا وہ دقیانوسی پن نہیں جائے گا۔ اب ان کا تو اللہ اللہ کرنے کا زمانہ ہے ہی۔ ہر کوئی تخت بچھا کر کیوں کر بیٹھا رہے۔ ہر وقت کے اعتراضات۔ بور کر دیتی ہیں۔ جھلک دیکھ لیں تو بڑبڑانے لگتی ہیں۔ اِن ہی سب باتوں سے تنگ آکر میں نے تو سامنے جانا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

سائرہ سرزنش کے لہجے میں بولی۔

"بزرگوں کے متعلق ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔"

"وہ حقدار بھی تو ہیں۔"

"جو کچھ بھی ہے۔ تمہاری اور ان کی زندگی کی قدریں بھی تو مختلف ہیں۔ تمہاری آنے والی نسلیں یہی سماں تمہارا بھی کریں گی۔ ہر نئی نسل کے بزرگ اولڈ فیشن اور دقیانوسی ہو جاتے ہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ پنڈی تو چل دی۔"

عائشہ نے پردہ چھوڑ دیا۔ لائٹ آف کرتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی۔ کمرہ میں اندھیرا تھا۔ صرف کھڑکی کی راہ سے اندر آتی ہوئی ہلکی سی ملگجی روشنی اور اس روشنی میں چت بستر پر لیٹی سائرہ نیم غنودگی کی حالت میں سوچ رہی تھی۔ حالات یوں ہی رہے تو وقت کیوں کر گزرے گا۔ کیسے زندگی بسر ہوگی۔ اس گھر میں بھلا وہ ہی کیوں ایسی حساس واقع ہوئی ہے کہ ہر چھوٹی بات کا اثر قبول کرے۔ ہر کسی کے لئے کڑھے۔ دل جلائے۔ کسی اور کو کوئی پرواہ نہیں تو وہ کیوں سر سے جا رہی ہے۔ ہر کوئی اُس کے پاس آکر ہی کیوں پناہ لیتا ہے۔ جہاں دُکھ درد کسی اور کو دینے ہوئے وہ یاد آگئی۔ لوگ اپنی جھولی اُس کے پاس خالی کر کے خوش واپس چلے جاتے ہیں اور وہ ان کی متاع سمیٹے

بیٹھی سوچتی رہ جاتی ہے کہ اس کا کیا کرے۔ سینے سے لگائے رکھے یا پھینک دے۔

صبح وہ اٹھی تو طبیعت کسلمند تھی۔ عجلت سے تیار ہو کر یونیورسٹی چلی گئی۔ جلدی جلدی کام نپٹایا۔ آفس میں بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ دروازہ پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی کوئی اندر چلا آیا۔ سائمہ نے سر اٹھا کر دیکھا وہ منصور تھا۔ وہ حیران ضرور ہوئی لیکن ظاہر نہیں کیا۔ بڑی خوش دلی سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"آپ کہاں بھول پڑے؟"

وہ کرسی کھسکاتے ہوئے بیٹھ گیا۔ سائمہ نے غور سے دیکھا۔ اُس کے انداز میں لاپرواہی تھی اور ہلکا سا اکھڑ پن۔

"میں یونیورسٹی آیا تھا سوچا آپ کو بھی ملتا چلوں کیا حرج ہے؟"

"بہت شکریہ۔ چائے لیجئے؟"

"ضرور۔ میں چائے میں تکلف کا عادی نہیں۔"

"کس بات میں عادی ہیں؟"

وہ مسکرا دیا

"اکثر ہی باتوں میں۔ اب آپ فارغ ہیں؟"

"ہاں اب سہ ری کوئی کلاس تو نہیں؟"

"پھر یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

"چائے کے لئے رُک گئی۔ پھر کچھ نوٹس بنانے کا ارادہ تھا۔ گھر جا کر تو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی، کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔"

وہ سیدھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔"

" گھریلو مصروفیات کچھ زیادہ ہیں کیا؟"

سائمہ مسکرا دی اور آہستہ سے بولی۔

" گھریلو مصروفیات کچھ ہیں ہی۔ گھر میں جتنے لوگ ہوں اتنی ہی رونق رہتی ہے کسی نہ کسی کا کوئی پروگرام بن جاتا ہے۔ کسی کے دوست، کسی کی سہیلیاں چلی آتی ہیں۔"

" تو آپ کو ان سے کیا۔ جن کے دوست، سہیلیاں ہوں وہ نپٹائیں۔"

" گھر میں آنے والا سبھی کا مہمان ہوتا ہے۔"

" مجھے اتفاق نہیں۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ۔ کچھ تعمیری کام کرنا۔"

" مثلاً"

وہ شانے جھٹک کر بولا

" بھئی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ صباحت کہہ رہی تھی کسی زمانہ میں آپ کسی اخبار میں ایک کالم لکھا کرتی تھیں۔"

سائمہ مسکرا پڑی

" ارے ہاں۔ لکھا کرتی تھی۔ کچھ ایسی دیر بھی نہیں ہوئی۔ پچھلے سال کی بات ہی تو ہے پھر چھوڑ دیا۔"

" کیوں چھوڑ دیا۔ وقت کی کمی، سماجی سرگرمیاں یا آپ کی اپنی دلچسپیاں بدل گئیں۔"

" بس یونہی لکھنا بند کر دیا۔ خود ہی دلچسپی کم ہو گئی تھی۔"

" مجھے افسوس ہوا۔" وہ آہستہ سے بولا

" اس قسم کے کام تو جاری رکھنے چاہئیں۔ یہی چیزیں زندہ رہتی ہیں۔ باقی سب

کچھ بہت سطحی ہے۔ پارٹیاں، دوست، سہیلیاں کسی حد تک درست ہیں۔ ورنہ ان میں کیا رکھا ہے"

سائمہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"آپ کی تصویریں کیسی چل رہی ہیں"

"ٹھیک ہیں۔ کبھی موڈ آئے تو ضرور کام کرتا ہوں اور کام کرکے خوشی بھی محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس وقت فارغ ہیں۔ چلئے آپ کو اسٹوڈیو دکھایا جائے۔ امی بھی آئی ہوئی ہیں، اُن سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مِل کر بہت خوش ہوں گی۔ کیا خیال ہے"

"خیال تو بہت اچھا ہے" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"لیکن پھر کبھی سہی"

"ابھی کیا ہوا۔ کوئی حرج ہے؟"

سائمہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سنجیدہ تھا۔ غور سے اُسے تک رہا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی وہ انکار نہ کر پائی۔ اپنی بزدلی پر حیرت بھی ہوئی اور کچھ پریشانی بھی۔ بیگ سنبھالتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلئے آپ کی ضد ہی سہی"

"میں مجبور نہیں کرتا"

منصور کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اُسے ہنسی آگئی۔ دل میں سوچا کیسا عجیب آدمی ہے۔ اپنی زبان سے اقرار نہیں کرنا چاہتا۔ خود کہہ کر بھی بات دوسروں پر رکھ دیتا ہے۔

دونوں چلتے ہوئے گاڑی کے پاس آئے تو منصور نے اگلا دروازہ کھول دیا۔
سائمہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولا۔

" میں شوفر بننا نہیں چاہتا۔ اگر آپ بُرا نہ منائیں "

سائمہ کچھ کہہ نہ سکی۔ چُپ چاپ اگلی سیٹ پر آگئی وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا رہا۔
اِدھر اُدھر کی دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ سائمہ سے اُس کی فیملی، اُس کی اپنی ذات کے متعلق سوال کرتا رہا۔ انداز میں اتنی بے تکلفی تھی کہ کبھی کبھی وہ بے تکلفی، وہ سیدھا سادا انداز چُبھنے لگتا۔ مارے مروّت کے وہ کچھ کہہ بھی نہ سکی۔ زبردستی گفتگو میں حصہ لیتی رہی۔ ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔

چھوٹا سا گھر تھا لیکن خوبصورت۔ ہر شے اپنے قرینے پر تھی سجی سجائی۔ سجاوٹ کی اشیاء سے خوش ذوقی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ امّی سے بھی تعارف ہوا۔ وہ بھاری بھرکم، بردبار، مہربان قسم کی عورت تھیں۔ بات چیت اور انداز میں پُرانی روایات جھلکتی تھیں۔ بڑے پیار سے ملیں۔ بہنوں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور پھر وہ اُسے لئے لئے اپنے اسٹوڈیو کی طرف آ گیا۔

کھُلا سا کمرہ تھا، بڑا ہوا دار اور روشن بھی۔ گہرے سبز رنگ کے پردے خوبصورت لگ رہے تھے۔ مکمل اور نامکمل خاکے کچھ بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے ایک دوسرے کے اوپر۔ ہلکی سی گرد کا غلاف لئے ہوئے۔ وہ ایک ایک تصویر کو صاف کر کے اُسے دکھاتا رہا۔ اُس کی رائے پوچھتا رہا۔ کچھ چیزیں اچھی تھیں۔ رنگوں کا امتزاج خوبصورت تھا۔ کچھ خاکوں میں اپنا ہی انداز تھا۔ سائمہ نے بخل سے کام نہ لیا۔ جو چیزیں اچھی لگیں اُن کی دل کھول کر تعریف کی۔ اور ہر بار تعریف سن کر منصور کے

چہرے پر جو ہلکی سی روشنی پھیل جاتی وہ اتنی اچھی لگتی کہ سائمہ کا ہر بار دل چاہا کہ یہ روشنی یونہی رہے۔

"تم اپنے لئے کوئی تصویر پسند کرو، سائمہ"

وہ اس بے تکلفی پر چونکی ضرور لیکن بولی کچھ نہیں۔ اس کی پیش کش پر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ چوائس تو آپ کو میرے لئے کرنی ہوگی"

"مشکل ہے، فن کار کو تو اپنی ساری ہی تصویریں اچھی لگتی ہیں"

"واقعی"

"ہاں۔ کافی حد تک۔ کم از کم میرے ساتھ تو ایسا ہی ہے۔ بہر حال اگر یہ پسند مجھ پر چھوڑ دی ہے تو میں پھر فرصت میں فیصلہ کروں گا اور تصویر آپ کو بھجوا دوں گا"

"شکریہ۔ مجھے خوشی ہوگی"

منصور بڑے شوق سے اُسے سب کچھ دکھاتا رہا۔ لان میں کھلے پھول اور اُن کی ہسٹری۔ ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے مجسمے اور اُن کی بیک گراؤنڈ۔ سائمہ کو اس اپنائیت پر انجانی سی مسرّت ہوئی۔ یہ بے تکلفی اتنی اچھی لگی کہ دل چاہا وہ یونہی ہر چھوٹی چھوٹی چیز کے متعلق بتاتا رہے اور وہ سنتی جائے۔ سوچا یہ چھوٹی سی خوشیاں بعض اوقات کتنی عزیز ہو جاتی ہیں۔ مسرت کبھی یوں ملتی ہے کہ اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کھانا امی کے اصرار پر وہیں کھانا پڑا۔ وہ بڑے پیار سے ہر چیز کھلاتی تھیں۔ ہنستے ہوئے بولیں۔

"منصور تو خبر نہیں کتنے مہینوں بعد دوپہر کا کھانا کھا رہا ہے"

سائمہ حیران ہوئی۔

"کیوں ؟"

"کھاتا ہی نہیں۔"

کام میں مصروف رہتے ہوں گے۔"

"نہیں۔ یونہی نہیں کھاتا۔"

منصور اس تمام عرصہ میں سر نیچے کئے پلیٹ پر جھکا آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ امّی کی بات پر بھی کچھ نہ بولا۔ بس ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے چہرے پر تھی۔ سائمہ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

"ڈائٹنگ ہو رہی ہے۔"

"کسی حد تک۔"

اس نے اوپر سے نیچے تک غور سے اُسے دیکھا۔

"کیوں۔ کچھ ایسی ضرورت تو نہیں۔"

"پہلے ضرورت تھی۔ ضرورت کے تحت ڈائٹنگ کی پھر وہ عادت ہی بن گئی۔ دوپہر کو دو ایک بار چائے پینے سے گزارا ہو جاتا ہے۔ رات کا کھانا البتہ اہتمام سے کھاتا ہوں۔"

"کچھ اچھی بات نہیں۔"

"کیوں۔"

"زیادہ چائے نقصان دیتی ہے۔"

"ابھی تک تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔" وہ مسکرایا

"بھلا چنگا ہوں۔"

سائمہ ہنس دی بولی کچھ نہیں۔

کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ریکارڈ سنتے رہے۔ کچھ گپ شپ ہوتی رہی۔ واپسی میں دیر ہوگئی۔ سائمہ کو پریشانی ہونے لگی۔ شام کو اس نے ڈراپ کیا تو شکریہ کہتے ہوئے وہ عجلت سے اُتر پڑی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا سامنے ہی برآمدے میں عائشہ کھڑی تھی۔ اُسے دیکھ کر مسکرادی اور شرارت سے ایک آنکھ ذراسی دباکر بولی۔

"ڈیٹنگ دیدی"

سائمہ کے چہرے پر ذراسی سرخی آگئی۔

"بکو نہیں۔ تمھیں ہمیشہ فضول باتیں سوجھتی ہیں"

"پھر کیا ہوا شو دیدی" وہ ہنسی

"تمھارا ابھی کفر ٹوٹا"

سائمہ عجلت سے اندر بڑھ گئی۔ عائشہ کی شریر ہنسی اب بھی پیچھا کر رہی تھی۔

صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بارش کی وجہ سے سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اب اندھیرا اور بارش کا شور ماحول کو اور بھی اُداس کر رہے تھے۔ سائمہ بہت بور ہو رہی تھی۔ ذیشان، کامراں شام ڈھلے ہی باہر چلے گئے تھے۔ عائشہ صبح کی کالج گئی ابھی تک نہ لوٹی تھی۔ دوپہر کو اک ذرا کی ذرا اُس نے فون پر اپنے دیر سے آنے کی اطلاع دی تھی اور بس۔ اور اب اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ سائمہ کو پریشانی ہو رہی تھی۔ اس خراب موسم میں وہ بھلا گھر کیوں کر پہنچ پائے گی۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی وہ یہی سوچ رہی تھی اور اندر امی کمبل گھٹنوں پر ڈالے بیٹھی چلغوزے چھیل رہی تھیں۔

تھک کر سائمہ اندر چلی آئی۔ ڈرائنگ روم میں ہلکی لائٹ جلا کر ٹانگیں لمبی کیے چپ چاپ بیٹھ رہی۔ باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ پھر بھی یونہی بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ باتوں کا ہلکا سا شور اور پھر کوئی اندر آ گیا وہ عائشہ تھی۔ سُرخ چہرہ لئے گنگناتی ہوئی پردہ ہٹا کر آئی۔ سائمہ کو یوں بیٹھے دیکھ کر پریشان ہوئی۔ جلدی سے پاس آ گئی۔

"کیا ہوا دیدی؟"

سائمہ چونک کر اُٹھ بیٹھی۔ پوری آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے ہوش میں آگئی ہو۔

"تم کہاں تھیں اب تک"

لہجے میں کچھ ایسا تحکم تھا کہ عائشہ پریشان ہو گئی۔ چہرے پر ہلکی سی زردی آگئی۔

"کیا ہوا"

"اتنی دیر کہاں ہو گئی۔ جایا کرو تو اتنا سوچ لیا کرو کہ بعد میں لوگ پریشان ہوں گے"

"اوہو دیدی" وہ ٹھنک کر بولی۔

"ایسی کیا بات ہو گئی۔ ذرا گھڑی دیکھو اتنا وقت تو نہیں ہوا کہ لوگ پریشان ہو جائیں۔ وہ اپنے پروفیسر ہیں نا انھوں نے دعوت کر رکھی تھی۔ ہائے سچ دیدی اتنا خوبصورت گھر ہے اُن کا کیا کہوں۔ اپنے ساتھ تو کوئی مقابلہ نہیں۔ یہ گھر تو اُن کے مقابلہ میں کٹیا معلوم ہو۔ میں تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایسا دل للچایا"

"شادی شدہ ہیں یہ تمھارے پروفیسر"

"وہ کیوں ہوتے"

"ہونا بھی چاہیئے کوئی ایسی غلط بات تو نہیں"

"نہیں دیدی۔ بالکل کنوارا ہے"

سائمہ تیز لہجے میں بولی۔

"مجھے تمھاری یہ باتیں بالکل پسند نہیں عائشہ۔ اتنا ندیدہ پن بھی اچھا نہیں ہوتا کن خیالوں میں ہو رانی۔ کسی رومینٹک آئیڈیا میں نہ رہنا۔ تم خواہ کتنی بھی ماڈرن ہو جاؤ یہ معاشرہ تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دے گا۔ سمجھیں"

عائشہ منہ بنا کر بولی۔

"دیدی نصیحتیں کرنے کی تو تمھاری عادت ہے۔ نہ معلوم یہ ساری بزرگی تم ہی میں کہاں سے آگئی۔ ذرا جو سمجھتی ہو"

"امی تمھاری وجہ سے پریشان ہوتی ہیں"

"بلا وجہ اور کیا"

"انھیں خوشی نہیں دے سکتیں تو دُکھ بھی نہ دو"

"کیا مطلب"

"یہی کہ اپنا رویّہ درست کرو۔ کامران ریحان ہیں تو انھیں اپنے مشاغل سے ہی فرصت نہیں۔ دوست سہیلیاں نہیں چھوڑتیں۔ تمھارا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ حیرت ہوتی ہے"

عائشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"یہی زندگی ہے دیدی۔ اپنے پروفیسر کو تم ایک بار دیکھ لو تو ہمیشہ دیکھتے ہی رہنے کو دل چاہے۔ کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔ ایسا مغرور اور خود پسند ہے"

"تمھیں بھی گھاس نہیں ڈالتا"

"مجال ہے"

سائمہ نے سر سے پاؤں تک اُسے دیکھا۔ وہ چمک رہی تھی بلا کی حسین معلوم ہو رہی تھی اُسے پیار سا آگیا۔ ہاتھ تھام کر بولی۔

"عائشہ رانی تم ابھی بچی ہو ان چکروں میں نہ پڑو۔ ان باتوں کے لئے ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ کیوں اپنا سکوپ تباہ کرتی ہو۔ ان پروفیسر صاحب سے کہیں اچھے لوگ

مل جائیں گے۔"

عائشہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"مجھے بالکل ہی بچہ سمجھتی ہو۔ اچھی بھلی سمجھ دار ہوں۔"

"پھر بھی"

"اچھا آئندہ دن چھپنے سے پہلے ہی آجایا کروں گی۔"

اُس روز سائمہ بہت دیر تک سوچتی رہی۔ بیجا لاڈ پیار نے عائشہ کو بگاڑ کر رکھدیا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں ہر کسی سے اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی کہ بیگانگی کا شائبہ تک نہ رہ جاتا۔ لوگ خواہ مخواہ لفٹ لے جاتے۔ ہر کوئی اُسے اپنا دوست ظاہر کرتا۔ اُس کی چھوٹی سے چھوٹی بات کو خود سے منسوب کرتا۔ سائمہ اس کے رویہ سے تنگ تھی۔ کتنی بار سمجھایا بھی لیکن ہر دفعہ وہ ہنس کر ٹال گئی۔ ہر بات کو مذاق کے رنگ میں لیا۔ بھائیوں کو پتہ چلتا تو وہ کچھ نہ کہتے۔

"عائشہ بہت پاپولر ہے۔" وہ خوش ہو کر بتاتے۔ سائمہ کا دل جل جاتا۔ اب بھلا یہ بھی کوئی خوش ہونے کی بات ہے۔ اُلٹا ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ پر اُنھیں کوئی کیا سمجھاتا۔ قدریں مختلف تھیں۔

ایک دن عائشہ اور ریحان رات کو واپس آئے ہنستے ہوئے خوش باش۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر خوب قہقہے چلتے رہے۔ سائمہ آئی تو دونوں باتیں کرتے کرتے ایک لمحہ کیلئے رُک گئے۔ پھر ریحان نے بہت مغرور انداز میں بتایا۔

"ثمو دیدی! عائشہ اتنا اچھا ناچتی ہے کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ایک امریکن نے دوبار درخواست کی۔"

سائمہ کی پیشانی پر بل آ گیا۔

"پھر"

"پھر کیا۔ عائشہ کو اور کیا چاہیئے تھا"

سائمہ نے سنجیدہ نظروں سے عائشہ کو دیکھا۔ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔

"کیوں بنو تمھیں کیا شوق چرایا تھا امریکن کے ساتھ ناچنے کا"

"تو کیا دیدی انکار کر دیتی۔ یہ تو بڑی بدتہذیبی کی بات ہے"

وہ ریحان کی طرف مڑی۔

"سنو بھیا۔ اپنی دلچسپیاں اپنے تک رکھو۔ عائشہ کو بیچ میں نہ گھسیٹو۔ خواہ مخواہ اُس کا حلیہ خراب کر رہے ہو۔ پڑھنے دو اسے اِن باتوں کے لئے زندگی پڑی ہے"

"ہر بات کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ دل خوش کرنے دو اسے"

عائشہ اُس کی طرف پلٹی۔

"سچ دیدی تم بھی چلو کسی روز۔ بڑا لطف رہے گا۔ ان غیر ملکیوں کی پارٹیوں میں بہت مزا آتا ہے"

"کوئی اور شغل تو نہیں شروع کر دیا"

ریحان نے آنکھ ماری۔

"ابھی نہیں"

"مستقبل میں امکانات ہیں"

"پھر کیا ہوا"

"یہ تم بول رہے ہو ریحان۔ اِس ڈھٹائی کی اُمید نہ تھی۔ کیا ہو گیا ہے فیشن پرستی

میں اتنی دور نہ چلے جاؤ کہ پھر واپس نہ پلٹ سکو۔ تم تو جو کچھ بھی کرلو اُس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن عائشہ کو تو بخشو۔ وہ کسی طرف کی نہ رہے گی۔"

"کیسی بات کرتی ہو دیدی" عائشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"میں کوئی بچی تھوڑی ہی ہوں"

سائمہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہرحال اپنا کام تو سمجھانا ہی تھا"

پھر ایک شام کو اُس کی اُن پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو ہی گئی۔ عائشہ اُسے ساتھ ہی لئے چلی آئی۔ سائمہ نے چائے کا اہتمام کیا۔ ٹیبل لگوا کر واپس آئی۔ تعارف ہوا تو پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ وہ حقیقت میں کتنا خوبصورت انسان تھا۔ صرف ایک نمایاں بات اُس کی پوری شخصیت میں سائمہ کو پسند نہ آئی۔ اُس کی آنکھیں بھاری اور سُرخ تھیں یوں جیسے بہت سویا ہو یا شب بیداری کا اثر۔ ورنہ ڈھیروں پیا ہو۔ سائمہ نے اُسے دیکھا ایک بار، دو بار اور پھر عائشہ کی طرف، کچھ خاموش سی ہو گئی۔ ذہن میں سوچ سی آگئی۔ اُس کا اور عائشہ کا کیا جوڑ۔ وہ اتنا بڑا تھا سنجیدہ اور باوقار سا انسان۔ عائشہ اس کے مقابلہ میں بچی تھی۔ ہر قسم کے تجربے سے عاری۔ شوخ اور چلبلی۔ ہر بات کو بڑے خوش گوار انداز میں لینے کی عادی۔ میوزک اور اُچھل کود کی رسیا۔

چائے کے دوران فواد بڑی دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ عائشہ نظروں میں بے انداز ستائش لئے ذرا سا آگے جھکی۔ پوری آنکھیں کھولے مسکرا مسکرا کر اُسے دیکھتی رہی، خوش ہوتی رہی۔ بڑے انہماک سے اُس کی باتیں سنتی رہی۔ فواد خاصی دیر بیٹھا رہا۔ واپس گیا ابھی اُس کی گاڑی بمشکل گیٹ سے باہر ہی نکلی ہوگی کہ عائشہ دیدی سے لپٹ گئی۔

"کیوں دیدی اب کیا کہتی ہو"

"ارے سنبھلو" وہ ہنسی۔

"ایسی بھی کیا بے صبری"

"اب تو کچھ نہ کہو گی"

سائرہ کسی سوچ میں تھی۔ سر اٹھا کر بولی۔

"بی بی۔ وہ تم سے اتنا بڑا ہے"

"تو کیا ہوا"

"کچھ نہیں۔ عمروں کا یہ فکر بعض اوقات مشکل پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں بزرگی زیادہ ہے اور تم میں بچپنا"

"میں تم سے کتنی چھوٹی ہوں دیدی"

سائرہ ہنس پڑی

"کچھ زیادہ نہیں۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے"

"پھر اور کس بات سے پڑتا ہے"

"اپنی اپنی عادت ہوتی ہے۔ بزرگی سالوں سے نہیں آتی۔ یہ تو انسان کے اندر ہوتی ہے"

"جیسے تمہارے اندر"

کچھ ایسی زیادہ نہیں۔ لیکن تم سے بہرحال زیادہ ہی ہے۔ یہ تمہارے پروفیسر صاحب اچھے ہیں، لیکن ایک چیز جو مجھے محسوس ہوتی ہے اور جو شاید ہر کسی کو ہو گی وہ یہ ہے کہ تمہارے ساتھ نہیں سجتے۔ بہرحال"

"خیر دیدی وہ بھی دیکھا جائے گا اور تم ذرا ان کا گھر دیکھنا کیسا خوبصورت اور کھُلا کھُلا ہے۔ لان اتنے بڑے۔ اتنے بے اندازہ پھول، ایسے کہ دیکھتے ہی رہ جاؤ۔"

"اچھا" سائرہ نے دلچسپی ظاہر کی۔

"لیکن ایک بات بتاؤ، اِن محترم نے عمرِ عزیز کا اتنا حصّہ گزار دیا اور ابھی تک شادی کیوں نہ کی۔"

عائشہ چند لمحے سوچتی رہی۔ چُپ چاپ کھڑی رہی پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"کہہ نہیں سکتی۔ میں نے کبھی پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ کچھ اپنے من کو ہی اچھا نہیں لگا کہ ایسی ذاتی قسم کی بات پر بحث کی جائے۔ یوں جہاں تک میرا خیال ہے شاید انھیں کوئی محترمہ پسند ہی نہیں آئیں۔ دل کو ہی نہیں لگیں۔"

"یہ میں نہیں جانتی۔"

"پھر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

بعض لوگ صرف دل خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ذمہ داریوں کو قبول کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں ہوتا۔ یوں دیکھنے میں خواہ وہ کتنے ہی سمجھ دار اور ذمہ دار معلوم ہوں۔"

"نہیں دیدی ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔" عائشہ کسی قدر یقین کے ساتھ بولی۔

"میں پوچھ لوں گی۔"

"چھوڑو۔ تمھیں ایسی بات نہ پوچھنی چاہیئے۔"

"اب تو میرا دل چاہتا ہے۔"

"پھر کبھی سہی۔"

"چلو اندر"

وہ اسے بازو سے تھام کر اندر ڈرائنگ روم میں لائی تو ریحان صوفے پر ٹانگیں لمبی کئے بیٹھا سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے کش لے رہا تھا۔ خود بخود ہی مسکرا رہا تھا۔ عائشہ کو دیکھ کر اُس نے آنکھ ماری۔

"آسامی ہے اچھی۔ اب کے سال تو تمہیں پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں۔"

"فضول بکواس نہ کیا کرو ریحان" سائرہ کے ماتھے پر شکن آگئی۔

عائشہ سے اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے تمہیں بُرا نہیں لگتا۔

ریحان نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور مسکراتا رہا۔ سگریٹ پیتا رہا۔ شریر نظروں سے عائشہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھتا ہوا بولا۔

"کہیں سیر کو چلو گی۔"

"ضرور بھیّا" عائشہ خوش ہوئی۔

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"ممو سے پوچھ لو۔"

سائرہ خاموش تھی۔ کسی سوچ میں تھی۔

"اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے اور اس تکلف میں پڑنے کا فائدہ بھی کیا۔ پہلے کون سی اجازت لے کر کوئی کام کرتے ہو۔ سدھارو۔"

عائشہ نے اس کا بازو تھام لیا۔ بڑے لاڈ سے ضد کرتے ہوئے بولی۔

"دیدی ناراض ہو گئیں کیا۔ تم کہو تو میں نہیں جاتی۔"

"نہیں بی بی۔" وہ اسے علیحدہ کرتے ہوئے بولی۔

"ناراضگی کی کیا بات ہے۔ اوروں کے ساتھ جاتے ہوئے تمھیں اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تو پھر تمھارا بھتیجا ہے۔"

عائشہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی۔ اندازہ لگاتی رہی پھر دھیرے سے ہنس پڑی۔

"تم بھی تو چلو۔"

"نہ بھئی۔ مجھے تو معاف ہی رکھو اور بہت سے کام ہیں۔ اس گھومنے پھرنے میں کیا رکھا ہے۔ خواہ مخواہ وقت کا ضیاع۔ تم چلو اپنا پروگرام خراب نہ کرو۔"

ریحان اور عائشہ ہنستے ہوئے چل دیئے۔ رائمہ نے انھیں یوں خوش باش جاتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار رشک آ گیا۔ کتنی ہی دیر صوفہ پر ٹانگیں اونچی کئے بیٹھی سوچتی رہی۔

گھریلو حالات یوں ہی چل رہے تھے۔ ابو کاروبار کے سلسلے میں اکثر و بیشتر سفر میں رہتے۔ بھائی لوگ، تھوڑا وقت کام کرتے اور باقی گھومنے پھرنے اور دعوت پارٹیوں میں گزار دیتے۔ گھر کی کچھ ایسی پروا نہ تھی۔ عائشہ پڑھتی کم اور بناؤ سنگھار زیادہ کرتی۔ اکثر کسی نہ کسی دوست، کسی سہیلی کے گھر کچھ ہو رہا ہوتا جس میں اس کی شرکت ضروری ہوتی۔ نت نئے لباس اور مختلف فیشن میں وقت اور پیسہ برباد ہو رہا تھا۔ دادی کو اور کسی کی پروا نہ تھی، صرف عائشہ کے لئے کڑھا کرتیں۔ اس کے انداز دل کو نہ لگتے۔ ابو سے شکایت کرتیں تو وہ عائشہ کو بُلا کر ڈانٹتے۔ لیکن دو چار روز میں بات بھول بھال جاتی۔ دادی بھی کسی اور طرف متوجہ ہو جاتیں اور یوں عائشہ کی آزادی پھر اپنی پہلی روش پر آجاتی۔

امی سارا دن گھر کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں یا پھر ہمسایوں کے دکھ درد سے ہی فرصت نہ ملتی۔ ابو کے ساتھ عائشہ کو وہ بھی ڈانٹتیں۔ لیکن جب وہ پیار سے اُن کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتی تو وہ سب کچھ فراموش کر دیتیں۔ عائشہ انھیں اتنی معصوم لگتی کہ وہ اُس کے متعلق کچھ بھی سوچنا نہ چاہتیں۔

سائرہ کی زندگی پُرسکون سی تھی۔ یونیورسٹی چل رہی تھی۔ سارا دن وہاں گزار کر شام کو گھر آتی تو پھر اکثر گھر میں ہی رہتی۔ اپنے چھوٹے چھوٹے کام کرتی۔ دادی کا دل بہلاتی۔ امی کی دل چسپی کی باتیں کرتی۔ اور کچھ نہیں تو چپ چاپ لان میں بیٹھی اکیلی چائے پیتی۔ ڈرائنگ روم میں صوفہ پر ٹانگیں لمبی کئے ریکارڈ سنتی۔ اپنے کمرے میں لیٹی گھنٹوں کتابیں پڑھا کرتی۔

منصور سے پھر ملاقات نہ ہوئی تھی، لیکن اُس کی بھیجی ہوئی تصویر اُسے مل گئی تھی۔ بڑا خوب صورت لینڈ سکیپ تھا۔ وہ کتنی ہی دیر دیکھتی رہی۔ تصویر اچھی تھی۔ فریم بہت نفیس تھا۔ ایک کونے میں منصور کا نام لکھا تھا۔ اُس نے اُس کے نام پر انگلی پھیری، کچھ حیرت اور خوشی کے ملے جُلے احساس کے ساتھ۔ سوچا "کتنی خوبیاں ہیں اس ایک انسان میں!"

تصویر کو گیلری میں لگا کر وہ خوش خوش پھرتی رہی۔ دوسرے دن یونیورسٹی میں شجاع سے ملاقات ہوئی تو اُسے وہ تصویر یاد آ گئی۔ منصور کا پوچھا تو وہ کہنے لگا۔

"وہ بھئی موڈی آدمی ہے۔ جب دل چاہے چلا آئے۔ ورنہ مدتوں صورت نہیں دکھائے گا!"

"کچھ فرصت کی بھی تو بات ہے"

وہ سائرہ کی بات پر مسکرایا۔

"شاید۔ اپنے مشاغل سے فرصت ملنے کی بات ہے ورنہ آفس کے بعد وہ فارغ ہی ہوتا ہے!"

سائمہ نے اس سے منصور کا فون نمبر لیا۔ گھر جانا نہ چاہتی تھی، لیکن تصویر کا شکریہ ادا کرنا تو بہر حال ضروری تھا۔ شام کو فون کیا، بھاری سی آواز میں جواب ملا، وہ خود ہی بول رہا تھا۔ سائمہ کے نام پر خوش ہوا۔ اِدھر اُدھر کی دو چار رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر وہ مطلب کی بات پر آ گئی۔ تصویر کی بہت سی تعریف کی، شکریہ ادا کیا۔ وہ جواب میں ہنس دیا۔

" تصویر پسند بھی آئی کہ یونہی تعریف ہو رہی ہے "؟

" بہت — یونہی تعریف کرنے کا سوال ہی نہیں۔ میں بڑی صاف گو ہوں "۔

" واقعی " اس کی آواز میں تجسس تھا۔

" بہت خوشی ہوئی سُن کر۔ توقع نہ تھی مجھے "۔

" کیوں "؟

" لڑکیوں میں یہ خوبی بہت کم ہوتی ہے "۔

سائمہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

" آپ بہت دنوں سے یونیورسٹی نہیں آئے۔ خیال تھا وہیں آپ سے ملاقات ہو جائے گی اور تصویر کے متعلق تبادلہ خیال بھی "۔

اُس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

" میں شکر گزار ہوں کہ تم نے یاد کیا۔ عائشہ کیسی ہے "؟

" اچھی ہے۔ خوش باش "۔

" میں کسی روز آؤں گا "۔

" ضرور۔ آپ کو اچھی سی چائے پلائیں گے "۔

فون بند کر کے وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔ سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہی۔ منصور سے باتیں کرنا ایسا اچھا لگا تھا۔ بعض لوگ اکثر ہوتے ہوئے بھی کتنے دلچسپ ہوتے ہیں۔ اُس روز ساری ہی شام وہ خوش پھر رہی تھی۔ حسب معمول عائشہ کو پھٹکارا بھی نہیں۔ نصیحتیں بھی نہیں کیں۔ عمران ریحان کے دیر پہ آنے کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کتنی ہی دیر دادا کے پاس بیٹھی رہی۔ دلچسپ باتیں کرکے اُنھیں ہنسانے کی کوشش کرتی رہی۔ امی کے ساتھ مل کر چائے بھی پی۔ گپ شپ بھی ہوئی۔

دوسرے دن یونی ورسٹی میں کلاس سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ دوسری طرف سے آتے ہوئے منصور سے سامنا ہو گیا۔ سائمہ نے غور سے دیکھا زبردست، سمارٹ لگ رہا تھا۔ اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے اُس کی طرف بڑھا۔

"شجاع بھائی سے کام تھا، سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔"

سائمہ مسکرا دی، دل میں سوچا شجاع سے کام نہ بھی ہوتا تو بھی تم مجھ سے ملنے آسکتے تھے۔ اب بھلا اس میں بُرائی ہی کیا ہے اور کیا اتنے بہادر نہیں ہو کہ کسی بہانے کی ضرورت محسوس ہو۔ تمھاری یہ بے تکلفی تمھاری عادت ہی ہے شاید۔ کوئی اور ہوتا تو شاید بے تکلفی کھلتی ضرور لیکن اب نہ معلوم کیوں کچھ ایسا بُرا نہیں لگتا۔

وہ اُس کے ساتھ ہی اندر چلا آیا۔ کرسی پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

"آفس تو بُرا نہیں۔"

"بہت لوگوں کا ہے۔ اتفاق سے اس وقت کوئی موجود نہیں۔"

"اور کون کون ہوتا ہے یہاں۔"

"میری دو ایک ساتھی لیکچرز" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"چائے پئیں گے؟"

"ضرور"

سائمہ نے کینٹین سے چائے منگوائی۔ چائے کے ساتھ وہ باتیں کرتا رہا، دلچسپ باتیں اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں۔ کچھ اپنی دلچسپیاں۔ اپنے مشاغل کے متعلق، اپنے اُن دقیق مضامین کے متعلق جو مختلف جرائد میں چھپتے رہے تھے۔ بہت سے لوگ بڑی اچھی رائے رکھتے تھے۔ سائمہ دل چسپی سے سنتی رہی۔ ہاتھوں میں چہرہ ٹکائے اُسے تکتی رہی، اُس میں اتنی ساری خوبیوں کا سوچ کر کچھ حیران، کچھ مسرور ہوتی رہی۔ وہ اُسے خاصا دلچسپ انسان لگا۔

وہ جانے کو تیار ہوا تو سائمہ نے پوچھا "امی چلی گئیں؟"

"ہاں، گئیں دو چار دن پہلے ہی"

"اور بہنیں"

"ثروت یہیں ہے۔ اُسے چھوڑ گئیں۔ میری تنہائی کے خیال سے ابھی رہے گی امی دوبارہ آئیں تو پھر واپسی ہوگی"

"ثروت کو لے کر کبھی گھر آئیں"

"ضرور" وہ مسکرایا

"مجھے بھلا کیا ہی اعتراض ہوگا"

"پھر کب"

"میں فون کر دوں گا۔ آپ شام کو تو فارغ ہی ہوتی ہیں نا"

"اکثر گھر پر ہی ہوتی ہوں۔ جب دل چاہے آ جائیں۔ امی وغیرہ ثروت سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔ بڑی پیاری بچی ہے۔"

وہ ہنس پڑا

"بچی۔ تم خود کتنی بڑی ہو؟"

سائمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا جلدی سے بولی

"اُس سے تو بہر حال بڑی ہی ہوں۔"

"خیر تمہاری مرضی، بعض لوگوں کو بزرگی کا شوق ہوتا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

وہ اُس کا سرخ چہرہ اور انداز دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیا۔ وہ چلا گیا تو سائمہ نے کتابوں میں دھیان لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ہر بار اس کی کوئی بات، بے ساختہ ہنسی یاد آجاتی۔ تنگ آ کر اُس نے کتاب بند کی اور باہر چلی دی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھوم پھر کر وقت گزارا۔ کچھ دوستوں سے باتیں کیں۔ پریکٹیکل کی کاپی میں جی لگایا۔

کتنے ہی دن گزر گئے نہ ہی اس کی صورت دکھائی دی اور نہ اُس نے کوئی فون ہی کیا۔ سائمہ شام کو تقریباً روز ہی انتظار کرتی۔ جب بھی فون ہوتا دل دھڑک اُٹھتا شاید اُسی کا ہو۔ ہر گھنٹی پر لپک کر ریسیور اٹھاتی خود پر حیرت ہوتی یہ آخر اُسے ہوا کیا۔ ایسی بچگانہ حرکات۔ وہ تو ایسی کبھی نہ تھی خود پر جھنجھلاہٹ ہوتی غصہ آتا۔ ہر طرح خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔ اِدھر اُدھر کی دلچسپیوں میں حصہ لیتی لیکن کسی نہ کسی بہانے دھیان کہیں اور چلا جاتا۔

اُس روز شام کو وہ بلا اطلاع ہی چلا آیا۔ گاڑی رکی، ثروت کے ساتھ

سُن کر وہ اندر آیا تو سائرہ حیران سی رہ گئی۔ اس وقت غیر متوقع سی ملاقات کا اُسے کوئی اندازہ نہ تھا۔ ثروت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ منصور کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

" اُدھر سے گزر رہا تھا سوچا دیکھتا چلوں۔ یوں اس طرح بغیر اطلاع آنے کی معذرت چاہتا ہوں، لیکن ایک دم سے ہی موڈ بن گیا۔ خبر دینے کا وقت ہی نہیں ملا، اور آپ گھر پہ ہیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔"

سائرہ خوش دلی سے مسکرائی۔

" کوئی بات نہیں۔ آئیے۔"

وہ انہیں لے کر اندر آگئی۔ عائشہ بھی موجود تھی تعارف ہوا۔ وہ عائشہ اور سائرہ دونوں کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ کبھی ایک اور کبھی دوسری کو دیکھنے لگتا۔ عائشہ نے اس کی نظر پکڑ لی۔ شرارت سے پوچھنے لگی۔

" آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

وہ لمبا سانس لے کر بولا

" کچھ نہیں۔ خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں۔"

" کیا مطلب؟" وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

" کوئی عجوبہ دیکھ لیا؟"

" ہاں۔ اتنا فرق عجوبہ ہی لگتا ہے۔ صورتوں میں تو کوئی اتنا نہیں انداز ضرور مختلف ہیں۔ آپ اور سائرہ میں صدیوں کا فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔

" پھر قصور کس کا ہے؟"

"دونوں کا ہی نہیں۔ قصور تو صرف میرا ہے جو میں اتنی بدتہذیبی سے ایسی بات کہہ رہا ہوں۔"

"آپ بہت دلچسپ ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں؟"

سائمہ نے نظر بھر کر عائشہ کو دیکھا۔ اس کے کٹے ہوئے خوبصورت بال چہرے پر آرہے تھے۔ آنکھوں میں ایسا اشتیاق تھا اور خوبصورت سی چمک۔ سائمہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"ڈانس کا کوئی شوق نہیں انھیں۔"

عائشہ لاپرواہی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ اور تو کچھ ہوگا۔"

"تمھارے حساب سے اور بھی کچھ نہیں۔ کتابیں پڑھتے ہیں خشک قسم کے مدلل مضامین لکھتے ہیں، تصویریں بناتے ہیں۔"

عائشہ نے ہنستے ہوئے اپنا کپ تپائی سے اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"اتنی ساری بور باتیں کر کے بھی آپ کی شخصیت میں بوریت کا شائبہ تک نہیں یہ کیا بات ہوئی۔"

منصور مسکراتے ہوئے بولا

"یہ تو اپنا اپنا خیال ہے۔ بوریت کا اسٹینڈرڈ مختلف بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"پھر آپ کا اور ہمارا کوئی ساتھ نہیں۔"

"میں دعویٰ بھی نہیں کرتا۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ثمو دیدی اور آپ کی بوریت مل کر بڑا اچھا تجربہ ہوگا۔"

"ہاں۔۔ دلچسپ"

"دیدی جی ان باتوں میں بہت خوش رہتی ہیں۔"

"کیوں ہے نا" وہ اُس کی طرف مڑا۔

"سچ کہہ رہی ہے، یہ عائشہ"

سائرہ مسکرا دی جواب کچھ نہیں دیا۔ منصور نے عائشہ کی طرف دیکھا۔

"اور اپنے لئے کیا کہتی ہو"

"میں تو دو دن زندہ نہ رہ پاؤں۔"

وہ بے ساختگی سے ہنس دیا۔

"جواب نہیں آپ کا۔ ذرا جو کسی قسم کا تکلف ہو یا تصنع ہو، سی مروت ہی"

سائرہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"اِن صفات کی محترمہ میں امید نہ رکھئے گا"

"وہ تو ظاہر ہی ہے"

وہ لوگ تھوڑی سی دیر اور بیٹھے۔ چائے پی کر جانے لگے تو سائرہ کہنے لگی۔

"یہ آپ کی اَن آفیشل وزٹ ہے۔ اور ہمارا جوڑوں کا توں رہا"

منصور کی بجائے ثروت بولی۔

"اب آپ آئیے گا کسی روز۔ عائشہ کو بھی ساتھ لائیں۔ اچھا دلچسپ رہے گا۔ میں تو یوں بھی گھر میں اکیلی بور ہوتی ہوں۔"

"اکیلی کیوں" عائشہ کی پیشانی پر شکن آگئی۔

"بھیّا تو شام کو کہیں نہ کہیں چلے جاتے ہیں۔ میں گھر میں بور ہوتی ہوں۔"

"بڑے نالائق ہیں بھیّا" عائشہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ایسی منی سی بہن کو ساتھ لے کر نہیں جاتے۔"

منصور نے بلّے سے آنکھ ماری۔

"منی سی ہے نا اس لئے نہیں لے جاتا۔ بڑی ہوتی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔"

"سُن لو بھئی ثروت۔ ذرا خیال رکھا کرو۔"

"وہ لو۔ لیجئے تو عائشہ جان کے پیچھے پڑ گئی۔ سائرہ کو تنگ کر کر کے بُرا حال کیا، ہنستی ہوئی بولی۔

"ارے دیدی۔ ایسا سنجیدہ سا آدمی۔ بور نہیں ہوتی ہو کیا؟"

"بھئی میرا اس کا ایسا واسطہ ہی کون سا ہے۔"

"مگر ہو تو"

"مجھے کیا ضرورت۔"

"ویسا آدمی بُرا نہیں۔ تمہارے مقابلے کا لگتا ہے۔"

"بکواس کرنے کی عادت پڑ گئی ہے تمہیں۔"

"ہاں دیدی! ابھی تو کہو گی" وہ ہنسی اور اُس سے لپٹ کر بولی۔

"واہ میں خوش ہوں تو تم ہو۔"

"ہٹو"

سائرہ اُسے ڈھکیلتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔

منصور اور سائمہ کی بے تکلفی بڑھ رہی تھی۔ جب بھی موقع ملتا وہ اپنے آفس سے اٹھ کر سیدھا اس کے ڈیپارٹمنٹ میں چلا آتا۔ بڑی بے تکلفی سے اپنائیت کے ساتھ۔ اِدھر اُدھر کی دلچسپ باتیں کرتا، دل چاہتا تو چائے کی فرمائش بھی کر دیتا۔ چائے پی کر گھڑی دیکھتے ہوئے ایک دم سے ہی اٹھ کھڑا ہوتا۔۔

"چل دئے بھئی"

"ایسی کیا جلدی ہے"

وہ ہنستا۔ آہستہ سے کہتا۔

باتیں بھی کر لیں۔ چائے بھی پی لی۔ تم سے ملاقات بھی ہو گئی اب اور بیٹھ کر کیا کروں گا"

وہ بھی مسکرا دیتی

"تو جب تک دل چاہا ٹھہرے۔ ورنہ چل دئے"

"وہ تمہارے خیال سے جا رہا ہوں)۔ تجھے نہیں دل میں سوچتی ہو یہ آدمی تو جان کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ یوں بھی کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب میں

نہ آؤں۔ کیوں؟"

"پھر کیا ہوا" وہ خوشدلی سے کہتی۔

"یوں کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔"

"مروّت برتتی ہو۔"

"چلو یہی سمجھ لو۔ مروّت ہی سہی۔"

"میں شکر گزار ہوں" وہ جھک کر آداب بجا لاتا۔

"بندہ پھر حاضر ہوگا۔ تمھاری کوئی کلاس ولاس نہیں کہ مفت کی تنخواہ لیتی ہو۔"

"تمھیں کیوں فکر ہوگئی۔ تنخواہ تم سے تو نہیں لیتی۔"

وہ ہنستا ہوا باہر چلا جاتا۔ پہلی بار جب سائمہ نے اُسے تم کہا تو وہ اتنا حیران ہوا کچھ عجیب سا لگا۔ پھر ایک دم سے ہی ہنس پڑا۔ کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔ سائمہ جھینپ گئی تو وہ اُس کی طرف شوخ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اچھا ہے مجھے خوشی ہوئی۔ بے تکلفی ہونی ہی چاہیئے۔"

وہ آہستہ سے بولی

"بھئی مجھے یہ آپ آپ اچھا نہیں لگتا۔"

"میں نے کوئی اعتراض کیا ہے۔"

"بُرا تو نہیں لگا۔"

"مجال ہے بُرا لگے۔"

"اب بھی وقت ہے بتا دو۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"تمہاری مرضی"

وہ ہنستے ہوئے خاموش ہوگئی۔

اُس روز وہ اُسے زبردستی گھر لے گیا۔ ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو ملازم ٹرے میں اورنج سکواش کے دو گلاس رکھے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

"اس موسم میں شربت پلواؤ گے؟"

وہ لاپرواہی سے شانے جھٹک کر بولا۔

"دوپہر میں سب چلتا ہے۔ کیا سردی ہے؟"

"تمہارا گھر ہے بھئی جو چاہے پلوا دو۔" سائمہ نے ٹرے میں سے ایک گلاس اُٹھا لیا۔ آہستہ آہستہ پینے لگی۔ وہ اپنا گلاس تپائی پر رکھے خود کھڑکی پر سے پردہ پرے ہٹا رہا تھا۔ نرم نرم سی دھوپ کھڑکی کی راہ اندر آگئی۔ منصور نے اُس کی طرف دیکھا۔

"کیسا لگتا ہے؟"

وہ ذرا سا مسکرادی

"اچھا لگتا ہے۔"

"ثروت باتھ روم میں ہے ابھی آرہی ہے۔"

"اچھا" وہ چپ ہوگئی۔

"امی کب آرہی ہیں؟"

"پتہ نہیں۔ فی الحال تو مصروف ہوں گی۔"

"تم پہلے۔ بادو۔ ہاں آآ!"

"نکالنے پڑتا ہو۔ یوں کہو تو جتنے دن تمھارا دل نہ چاہے صورت نہ دکھاؤں"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔ کبھی کبھی امی سے جا کر مل آئیں تو وہ خوش ہوں گی کہ بیٹیا کیسا سعادت مند ہے"

منصور کے چہرے پر ہلکا سا غبار آگیا۔

"بٹیا کتنا سعادت مند ہے"

"کیوں کیا ہوا"

"کچھ نہیں۔ اُن کی سعادت مندی کا معیار کچھ اور ہے"

"وہ تو اکثر ماؤں کا ہی ہوتا ہے"

"تمھاری امی کا بھی ہے"

"بڑا زبردست"

"خیر، لڑکیوں کی بات دوسری ہے وہ تو ہوتی ہی سعادت مند ہیں۔ ماؤں کا خیال تو ضرور رکھتی ہیں۔ خواہ وہ ضروری ہو یا نہیں۔ مارے مروّت کے ہوا ایسا کیا جاتا ہے۔ لیکن تمھاری نمائش ہے تو اس قسم کی کوئی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ وہ تو اپنے میں ہی مگن معلوم ہوتی ہے۔ سعادت مند کتنی ہے۔ وہ تو آثار ہی بتا رہے ہیں"

سائرہ ہنس پڑی۔

"بہت بغور مطالعہ کیا ہے"

"کچھ کیا ہی ہے۔ البتہ تم اس کے مقابلے میں بہت مختلف ہو۔ ذہنی سطح کے اعتبار سے بھی اور عام اقدار سے ہٹ کر بھی۔"

"سب عائشہ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

وہ تمسخر سے ہنس پڑا

"جی ہاں۔ ضرور کرتے ہوں گے۔ اس لاڈ پیار کے ہاتھوں ہی تو وہ موجودہ حالت میں ہیں۔"

"تمھیں وہ پسند نہیں۔"

اُس نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ لاپرواہی سے بولا۔

"بس ٹھیک ہے۔ دراصل مجھے اُس کے انداز میں بہت سطحی پن لگتا ہے۔ تمھاری بہن ہے۔ شاید تمھیں بُرا بھی لگے۔ میں نے تو اپنی رائے بتا دی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ میری زیادتی ہی ہو۔ لیکن جب وہ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح حرکتیں کرتی ہے تو اچھا نہیں لگتا۔"

"وہ اس لئے کہ آپ اور اُس کی عمروں میں بہت فرق ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"تم میں سنجیدگی زیادہ ہے اور اُس میں بچپنا۔"

منصور ہنس پڑا۔

"میری سنجیدگی میری عمر کے لحاظ سے درست ہے۔ اُس کا بچپنا غیر فطری۔"

"بیچاری عائشہ۔ اگر سن پائے تو لڑ مرے۔"

"مجھ سے بد

"اور کیا کسی تیسرے شخص سے؟"

وہ ہنس پڑا۔ پھر اور کچھ نہیں بولا، موضوع بدل دیا۔

"چلو تمھارا پورٹریٹ بناؤں؟"

"بڑے آرٹسٹ" وہ مذاق اُڑانے والے لہجے میں بولی۔

"ایسا پورٹریٹ ہوگا کہ کسی کا دیکھنے کو دل نہ چاہے گا؟"

"وہ تو تمھاری صورت پر منحصر ہے؟"

"صورت تو اچھی بھلی ہے؟"

وہ ہنس دیا۔

"واقعی"

"اور کیا"

"بھئی میں نے کب انکار کیا ہے؟"

"کبھی اپنی صورت بھی ملاحظہ فرمائی ہے؟"

"کیا زیادہ ہی حسینہ تم ہوں؟"

"خوش فہمی۔ اور مرد خوش فہمی میں مبتلا ہوتے اچھے نہیں لگتے؟"

اسی وقت ہی ثروت آگئی۔ گیلے بال اُس کی پُشت پر پڑے تھے چہرہ اور بھی نکھر رہا تھا۔ ہمیشہ سے کہیں خوب صورت لگ رہی تھی۔ ان دونوں کو جھگڑتا دیکھ کر مسکرا پڑی۔

"میں کافی بنوا آئی ہوں۔ کریم لا رہا ہوگا۔

"بڑی شگفتہ ہوگئی ہو ثروت"

"شروع سے ہی بھیا۔ آپ کو کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا۔"

کافی پی کر سائرہ عجلت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثروت بہتیرا ناں ناں کرتی رہی۔ اُسے بھی زبردستی ساتھ ہی گھسیٹ لیا۔ پچھلی سیٹ پر اُس کے ساتھ بیٹھی وہ خود کو اتنا محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ کوئی دیکھ نہ لے۔ ہمیشہ کی یہ بزدلی پھر سے عود کر آئی تھی۔ اُسے پتہ تھا۔ ہونا تو بُرا لگتا ہے لیکن وہ اس کے علاوہ کچھ اور کر نہ سکی۔ کہہ بھی نہ سکی۔ چپ چاپ پیچھے بیٹھی کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی۔

شجاع کی شادی کی سالگرہ تھی۔ ہر سال ہی کچھ نہ کچھ اہتمام کیا کرتا تھا۔ اس دفعہ ایک چھوٹی سی پارٹی کر دی۔ بہت زیادہ لوگ مدعو نہ تھے۔ کچھ دو ایک رشتہ دار اور چند قریبی دوست۔ سائرہ بھی مدعو تھی۔ جانے کو دل بھی تھا۔ اہتمام سے تیار ہوتے دیکھ کر ہر کسی نے پوچھا۔ دو ایک ادھر اُدھر کی باتیں کیں اُسے کچھ عجیب سا لگا۔ وہ ازلی جھجک۔ پھر سے سوار ہو گئی۔ سب گھومتے پھرتے تھے۔ سج بن کر جاتے تھے۔ کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ یہ سارے سوال و جواب بھلا اس کے لئے ہی کیوں تھے وہ اس کے متعلق غور نہ کر سکی۔

یحیان نے اُسے ڈراپ کیا اور خود گھومنے چلا گیا۔ سائرہ اندر آ گئی لائٹس کی روشنی میں ہر کوئی سج رہا تھا۔ خوبصورت لگ رہا تھا۔ بہت سے اُن میں سے جاننے والے تھے۔ سائرہ تقریباً سبھی سے ملی۔ منصور کو دیکھا بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔ وہ شرارت سے مسکرا دی۔ آہستہ سے بولی۔

"نظر لگ جائے گی۔ زیادہ لڑکیوں میں نہ ٹھہرنا۔"

"تمہارے پاس بھی رکوں یا نہیں؟"

"بات تو ایک ہی ہے۔"

"پھر آج نظر لگ ہی جائے تو اچھا ہے۔"

"تمھاری مرضی۔"

"تم بھی ذرا خبردار رہنا۔ شجاع بھائی کے دو ایک دوست کسی خاص مشن پر آئے لگتے ہیں۔ لڑکیوں کو ایسی بری طرح گھور رہے ہیں کہ کیا ہی کہوں۔ اور یہ تمھارے یونیورسٹی کے لوگ کچھ زیادہ ہی خشک ہیں۔ اپنی باتوں کے علاوہ اور کوئی دلچسپی ہی نہیں۔"

"اپنا اپنا ذوق ہے بھئی۔"

"تم بھی اچھی لگ رہی ہو۔"

"شکر ہے ادھر سے بھی کوئی تعریف کا جملہ نکلا۔"

"کوئی تعریف کے قابل بھی تو ہو۔"

"بدتہذیبی پر اتر آئے ہو۔"

"تم کون سا لحاظ ہی کرتی ہو۔ چلو ذرا ہماری آپا سے مل آؤ۔ تمھارے جلدی آنے کی امید تھی انھیں۔"

سائرہ دوسری طرف بڑھ گئی۔ صباحت اور ثروت سے ملاقات ہوئی۔ یونیورسٹی کے لوگوں سے دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ پھر کھانے کا وقت ہو گیا۔ پلیٹ میں کھانا لے کر وہ ایک طرف آ کھڑی ہوئی۔ فریحا کوئی بہت دلچسپ بات سنا رہی تھی۔ سائرہ آہستہ آہستہ کھاتے ہوئے ہنستی رہی۔ باتوں اور قہقہوں کے بیچ میں کہیں کہیں آہستہ سے اپنی طرف سے بھی کچھ بول جاتی۔ منصور بھی کھانا لے کر وہیں آ کھڑا ہوا۔ فریحا نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ سنائیے منصور صاحب، مزاج اچھے ہیں"

"شکریہ۔ بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں۔ بہت دیر کے بعد صورت دکھی۔ کہاں رہتی ہیں، کیا مصروفیات ہیں"

"سب کچھ وہی پُرانا ہی ہے" وہ ذرا ہنسی

"کوئی نئی دلچسپی نہیں"

"خوشی ہوئی سن کر"

"آپ کو مردوں کی محفل پسند نہیں آتی کیا"

وہ اُس کی بات پر مسکرا دیا

"کبھی کوئی حدبندی تھوڑی ہے"

"ہاں۔ اپنا اپنا مزاج ہے۔ ویسے یہ ابھی کی کوئی خوشگوار سی تبدیلی لگتی تھی۔ پہلے تو ایسی کوئی بات نہ تھی۔ بڑے مردم بیزار تھے"

سائمہ اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"یہ کب سے سنجیدگی ہو رہی ہے منصور کی"

"ارے سائمہ" وہ ہنس پڑی

"تم انھیں نہیں جانتیں۔ کاٹنے کو دوڑتے تھے"

"پھر تو یہ مرض کبھی بھی واپس آسکتا ہے"

"امید تو نہیں۔ حالات خوشگوار ہی لگتے ہیں"

"جن لوگوں کو اس قسم کا دورہ پڑتا ہو اُن کا کچھ پتہ نہیں چلتا کب موڈ بگڑ جائے"

منصور کے ماتھے پر ہلکی سی شکن تھی، سائمہ کی طرف مڑ کر بولا۔

"یہ آپ بولیں۔"

"جی ہاں یہ سائمہ بی بی ہی بولیں۔ زبان بڑی کاٹ دار ہے ان کی۔ ہوشیار رہئے گا۔"

"ٹھیک ہے" وہ فریحا کی بات پر بولا۔

"مجھے بھی بے زبان لوگ کچھ ایسے پسند نہیں۔"

"سچ مچ اتنا حوصلہ ہے۔"

"تمھاری توقع سے کچھ زیادہ ہی۔"

وہ ہنس پڑی بولی کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر اور رُک کر منصور دوسری طرف چلا گیا۔ فریحا سائمہ کی طرف مڑی۔ ایک لمحہ دیکھتی رہی پھر شرارت سے مسکرائی۔

"کیا چکر ہے رانی"

"تمھیں کیا لگتا ہے۔"

"معاملہ کچھ ٹیڑھا ہی ہے۔"

"اچھا"

بنو نہیں۔ مجھے سب پتہ چل جاتا ہے تم خواہ کتنا ہی چھپانے کی کوشش کرو۔ ہاں نا۔"

"بھئی چھپانے کی بات ہی کیا ہے اور تم زیبِ داستاں کے لئے بات کو بڑھا دو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

فریحا سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"یوں آدمی بُرا نہیں۔"

"کیا مطلب"

"کس بات کا مطلب سمجھاؤں۔ اچھا سمارٹ ہے۔ باتیں بھی خوبصورت کرتا ہے۔ رومینٹک ہونے کے جراثیم بھی ہیں۔ تمہارے نزدیک رہنا تو کافی ٹِل جائیں گے۔"

"بہت چھچھلی ہو گئی ہو"

"مطلب کی بات جو کر دی"

"مطلب کے علاوہ بھی ایسی ہی ہو"

"ذرّہ نوازی ہے تمہاری"

"اور کہہ ہی کیا سکتی ہو"

"گھر کیسے جاؤ گی"

"ریحان آئے گا"

"کیا ضرورت تھی بلانے کی۔ میری گاڑی کھڑی تھی میں ڈراپ کر دیتی"

وہ ہنستی ہوئی بولی

"تمہیں تکلیف دینے کو دل نہیں چاہتا"

"ارے۔ وہ تکلیف اٹھانے کو تو میرے علاوہ بھی بہت لوگ ہیں کبھی کہہ کر تو دیکھو آج ہی آزما لو"

"بخشو۔ میں آزمائشوں میں نہیں پڑا کرتی"

"پھر کسی اور کو بھی مت ڈالو"

"میں کب کہتی ہوں"

"انداز بتاتے ہیں"

سائمہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"انداز میں کوئی نئی بات تو نہیں۔"

"اب تمھیں کیا خبر" وہ شرارت سے مسکرائی

"اپنے انداز کسی اور سے پوچھو تو پتہ چلے"

"میں فضول باتوں میں نہیں پڑتی"

"اب یہی ہوگی"

"جھکی ہو گئی ہو"

"تمہاری مرضی"

وہ ہنستی ہوئی اپنے ایرانی فیانسے پاس چلی گئی۔ سائمہ کے چہرے پر رنگ سا آگیا تھا۔ اس کی باتیں عجیب ضرور لگیں لیکن بُری محسوس نہیں ہوئیں۔ غیر ارادی طور پر ہی ایک بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھا جہاں منصور کھڑا تھا۔ جُھک کر سگریٹ سلگاتے ہوئے ایسا اچھا لگ رہا تھا۔ اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ فریحا واپس آ رہی تھی اُس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ اپنے کو لامت بھی کی۔ اب بھلا سوچنے اور دیکھنے کو اور کوئی چیز رہ ہی نہیں گئی کیا۔ وہ جو دوسروں پر ہنسا کرتی تھی اُسے کیا ہوا۔

پارٹی اختتام پر تھی۔ کچھ لوگ جا رہے تھے۔ کچھ لوگ تیاری کر رہے تھے۔ سائمہ بھی ان کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شجاع اور سباحت سے اجازت چاہی۔ دروازے کی طرف چلی۔ اُسی وقت ہی منصور آگیا۔ اس کے بازو کو ذرا سا چھوتے ہوئے بولا

"آپ بھی چل دیں"

سائمہ نے اوپر دیکھا وہ شریر انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے آنکھیں

تجھ کو الیب۔

"اوروں کی طرح آپ تو رسمی نہ ہوں۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی

"اب تو میں اجازت بھی لے چکی"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"بس اب چلوں۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"کیسے جائیں گی"

"ریحان آیا ہے۔"

اس کی پیشانی پر شکن آگئی۔

"بھلا اُسے بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ خواہ مخواہ تکلیف دی۔ اور پھر وہ آ ہی گیا تھا تو اندر کیوں نہیں بلایا۔ وہ باہر بیٹھا کیا سوچ رہا ہوگا۔ یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

سائرہ اُس کے غصّے پر مسکرادی

"بھئی ناراض کیوں ہوتے ہیں ابھی آیا ہے۔ اب مل لو۔"

وہ اُکتاہٹ سے بولا

"اب تو ملنا ہی ہے۔ تشریف لے چلئے۔"

"اپنا موڈ درست رکھا کرو۔ سمجھے۔"

"ارے نہیں،" وہ مسکرادیا۔

"تم خیال نہ کرو۔ یہ تو میں کبھی کبھی یوں ہی ایکٹنگ کیا کرتا ہوں۔ بھلا مجھے کیا

اعتراض، خواہ ریحان کو ساری رات باہر گاڑی میں بٹھا رکھو۔"

سائمہ ہنس پڑی

"کہہ جو دیا آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

وہ کھلے دروازے میں سے باہر آ گئی۔

امّی کی طبیعت پچھلے چند دنوں سے اچھی نہ تھی۔ کچھ ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا تھا۔ کمزوری اتنی تھی کہ دو قدم چلیں تو تھک کر بیٹھ جائیں۔ دادی امّی ضعیف ضرور تھیں لیکن یوں انھیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ بس ایک جو انھیں شکایتیں کرنے کی ازلی بیماری تھی وہ اپنی جگہ بدستور تھی۔ اکثر کسی نہ کسی بات پر بڑبڑاتی رہتیں۔ ہر کسی پہ نکتہ چینی کرتیں۔ امّی کے سمجھانے بجھانے کے باوجود باز نہ آتیں۔ اور کسی پر بس نہ چلتا تو سائرہ کو پکڑ پاس بٹھا لیتیں۔ ہر کسی کی شکائتیں کرتیں۔ وہ کچھ بھی اعتراض کئے بنا ہوں ہاں کرتی رہتی۔ کچھ جواب نہ دے پاتی۔ اُس کے خیال میں اماں بھی درست تھیں۔ وہ ایک ایسے سنگم پر آ کھڑی ہوئی تھیں جہاں انھیں پتہ نہ چل رہا تھا کہ آگے دیکھیں یا پیچھے کو نظر ڈالیں۔ تذبذب کے عالم میں کچھ پریشان سی وہ سارا الزام دوسروں پر ڈالنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتی تھیں۔

ابّو حسبِ دستور اپنے کاروبار کے سلسلے میں اِدھر اُدھر رہتے۔ گھر میں شاذ ہی اُن کی صورت دکھائی دیتی۔ بیٹے برسرِ روزگار تھے۔ خود کما رہے تھے۔ ابّو گھر کا خرچ چلا رہے تھے۔ کبھی کبھار بیٹوں کو کوئی پسند کی چیز خرید دیتے۔ ورنہ وہ اپنے کفیل خود تھے۔

عمران نسبتاً زیادہ سمجھدار تھا اور سرمایہ دار بھی زیادہ ہی۔ سوچ سمجھ کر خرچ کرتا۔ کسی سے دوستی کرنے کا روادار بھی نہ تھا۔ ہر بات میں اپنے معیار کو ملحوظِ خاطر رکھتا۔ لوگوں سے ملتا ضرور، لیکن تلے دیئے سا رہتا۔ ہر کسی کو ایک فاصلہ پر رکھتا۔ اس کے برعکس ریحان بڑا ملنسار سا تھا۔ کسی وقت نچلا نہ بیٹھتا۔ اس کے دوست سہیلیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی اور ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ شاعروں ادیبوں سے لے کر کاروباری اور تعلیمی اداروں سے منسلک لوگ بھی۔ صورت تو کچھ ایسی اچھی نہ تھی، لیکن اپنی شوخ طبیعت کی بنا پر لڑکیوں کے حلقے میں بہت مقبول تھا۔ روز نئی دوستیاں ساتھ ہوتیں۔ اِن دنوں ایک امریکن لڑکی کے ساتھ خاصا سنجیدہ ہو رہا تھا۔ اکثر پروگرام اُسی کے ساتھ ہوتے۔ کئی بار وہ گھر بھی آئی۔ صورت کے ساتھ ساتھ عادات کی بھی بُری نہ تھی۔ سائرہ کو بطور دوست کے وہ پسند آئی اور کسی انداز سے سوچنے کو دل نہ مانا۔ کبھی ریحان نے اس موضوع پر بات چھیڑی بھی تو ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا۔ مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ غیرملکی لڑکی اِس روپ میں قابلِ قبول معلوم نہ ہوتی۔ اپنی موڈرنیت کے باوجود اس معاملے میں وہ ابھی بھی اتنی ہی قدامت پسند تھی جتنی کہ اماں ہو سکتی تھیں۔ ہر بار اس خیال کو جھٹک دیا۔ حالانکہ ریحان کے انداز بہت سنجیدہ تھے، خطرناک حد تک۔ امی کو تھوڑا سا علم ضرور تھا، لیکن وہ اُسے ریحان کا بچپنا سمجھتی تھیں۔ خود ہی سنبھل جائے گا۔ انھوں نے کتنی ہی بار سائرہ سے کہا تھا اور ہر بار یہ سن کر سائرہ سی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ بھلا کوئی خود بخود بھی سنبھل سکتا ہے۔ امی تو دل کو بہلا دیتی ہیں۔ اب بھلا بیٹا تو انہی کا ہے۔ ابو ڈانٹیں یا وہ خود سمجھائیں پیار سے تو ہر کوئی مان جاتا ہے۔

عائشہ کے امتحان نزدیک تھے لیکن اس کے انداز وہی تھے، پڑھائی کا موڈ

بہت ہی کم ہوتا۔ کبھی اکٹھے بیٹھ بھی جاتی تو اکثر ہی موضوع فواد پر چلا جاتا، خوش ہوکر اس کی باتیں سناتی، بڑے پیار سے ذکر کرتی۔ سائرہ کو سُن کر غصہ آجاتا، کبھی کبھار ڈانٹ بھی دیتی۔ پروفیسر کتنا ہی اچھا سہی لیکن سائرہ کے خیال میں فی الحال اُسے کسی اور بات کی طرف توجہ نہ دینی چاہیئے۔ اس کی مصروفیت کے لئے تو پڑھائی ہی بہت تھی۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کا بھلا کیا تُک تھا۔

عائشہ کو بھائیوں کے لاڈ پیار نے زیادہ خراب کیا تھا۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی فرمائش پوری کی جاتی۔ ابو کے بعد گھر میں وہی تھے اور اُن کی موجودگی میں اُس پر کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ خود کہیں نہ جاتی تو وہ اپنے ساتھ کھینچ لے جاتے۔ سائرہ کی ڈانٹ پھٹکار کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی ہنسی میں اُڑا دیتی۔ اپنے ہی خوشگوار موڈ میں گنگناتی رہتی۔ ڈائری لکھتی۔ ناول پڑھتی۔ ریڈیو گرام پہ نئے نئے ریکارڈ لگا کر تھرکتی رہتی، اپنے آپ میں خوش رہتی۔ کسی کی ذرہ برابر جو پرواہ کرتی ہو۔

فواد اور اس کی دوستی جو معمول پر تھی کبھی وہ اُسے چھوڑنے چلا آتا تو عائشہ اُسے زبردستی لئے اندر چلی آتی۔ اس کی تکرار کے باوجود چائے پلوائے بنا نہ مانتی۔ کچھ پہلے ہی دیر سے آتی اور پھر کچھ وقت یوں گزر جاتا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے گنگناتی رہتی۔ کھانا کھانے کے بعد ذرا سی دیر پڑھنے کی کوشش کرتی اور پھر کتاب منہ پر ہی رکھے رکھے سو جاتی۔ اُس روز بھی یہی ہوا۔ امی ناراض ہوئیں تو انھیں بہلا دیا۔ پیار سے ہاتھ دباتی ہوئی بولی۔

"امی پیاری پھر کیا ہوا۔ وہ میرے پروفیسر جو ہیں۔ آج کل یہی کچھ تو چلتا ہے پھر امتحان اتنے نزدیک آرہے ہیں۔"

"پھر پڑھا کرو۔"

"پڑھتی بھی ہوں۔ لیکن اتنے اچھے پروفیسر کو ناراض کیسے کروں۔ لوگ تو اُن کے پیچھے پھرتے ہیں اور وہ کسی کو پوچھتے بھی نہیں۔ ایک آپ ہیں کہ خواہ مخواہ اعتراض کرتی ہیں۔"

سائرہ پردے کے پاس کھڑی اُس کی باتیں سُن کر بور ہو رہی تھی۔ پیشانی پر شکن لئے ناگواری سے اُسے تکتی رہی، پھر سر ہلاتے ہوئے باہر آگئی۔ کمرے میں جانے کی بجائے وہیں گیلری میں کھڑی ہو کر انتظار کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد عائشہ ہنستی ہوئی امی کے کمرے سے نکلی۔ سامنے ہی سائرہ کو سنجیدہ موڈ میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پاس آگئی۔ اُس نے ذرا سا گردن موڑ کر دیکھا۔ بنا کسی تاثر کے بولی۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"الٰہی خیر۔ کس کس نے مجھ سے کچھ کہنا ہے اور کس کس کو مطمئن کروں۔ شمو دیدی بھلا آپ کو کیا ہوتا ہے۔ تھکی تھکائی آتی ہیں یونیورسٹی سے اور پھر یوں اپنا وقت برباد کرتی ہیں۔ اور بھی بہت سے مفید کام ہو سکتے ہیں۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" وہ اُسے بازو سے تھام کر کمرے میں لے آئی۔ کرسی میں دھکیلتی ہوئی بولی۔

"ٹھیک سے بات کرو۔ امی بڑی بھولی ہیں کہ تمہاری باتوں میں آجائیں ۔ یہ کیا چکر چلا رکھا ہے۔"

"کونسا والا۔" وہ تمسخر سے ہنسی۔

"اپنے تو کئی ہیں۔"

"اُڑا رہی ہو۔ میں فرہاد کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔"

وہ لاپرواہی سے ٹھوڑی پہ انگلی رکھ کر بولی

"آپ پوچھیے میں بتاتی جاتی ہوں۔"

"فرہاد تمھارا استاد ہے اُس کے ساتھ اتنی بے تکلفی نہیں ہونی چاہیئے۔"

"یہ کہاں لکھا ہے۔"

"اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیئے۔"

وہ اسی موڈ میں بولی۔

"وہ میرا استاد ضرور ہے۔ لیکن ہم دوست بھی ہیں۔"

"یہ دوستی کچھ اچھی بات نہیں۔"

"کیا بُرائی ہے اس میں۔"

"امی کو پتہ چلا تو انھیں دُکھ ہوگا۔ تم اُس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔ خط لکھتی ہو۔ ابو کو خبر ملی تو طوفان کھڑا کر دیں گے۔"

عائشہ دبے انداز میں ہنس پڑی

"ابو کی آنکھیں بند تو نہیں۔"

"سب کی بند ہیں۔"

وہ پھر ہنس دی۔ آہستہ سے بولی

"سوائے تمھارے ویدی۔ تمھاری آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے سوتے میں بھی تمھاری آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ہر بات نوٹ کرتی ہیں۔"

"پھر!"

"پھر کچھ نہیں۔ میں تو سوچ کر ہی خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔ تمھارے احساس کا یہ عالم رہا تو تمھارا کیا بنے گا دیدی۔ میری مانو تو ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہے اُس سے اپنی آنکھیں بند ہی رکھا کرو۔ زندگی بڑی سہل ہو جاتی ہے یوں۔ خود بھی کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے"

سائرہ ہنس پڑی

"بڑی ہوشیار ہو گئی ہو بی بی۔ باتیں کرنی تو پہلے بھی آتی تھیں، اب کچھ انداز بدل گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا اثر ہے شاید"

"ارے دیدی" وہ خوش ہو کر بولی

"بڑی خوبیاں ہیں اس انسان میں"

"ہاں تمھیں تو خوبیاں ہی نظر آئیں گی"

"کوئی بُرائی تم ہی بتا دو"

"مجھے اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ ضرور بتا دیتی"

"خیر دیدی۔ تم تو یہی کہو گی۔ مجھے ہمیشہ بچہ ہی سمجھو گی۔ لیکن فواد کے بارے میں میں سیریس ہوں"

"کیا مطلب"

"یعنی سیریس ہوں"

"میں اب بھی نہیں سمجھی"

وہ ذرا تیزی سے بولی۔

"کس بات کا مطلب سمجھاؤں"

"کس لحاظ سے سیریس ہو۔ اکیلی تم ہو یا فواد بھی اتنا ہی ہے"

"اُسے بھی سمجھ لو"

سائمہ ہنس پڑی

"عائشہ رانی۔ تم خواہ کتنا ہی دل خوش کیوں نہ کرو لیکن بیاہ تمھارا اپنی برادری میں ہی ہوگا۔ کہیں اور کرنے کے متعلق سوچنا بھی نہیں۔ ٹھیک ہے، دوستی چل سکتی ہے، لیکن سیریس ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ ہماری روایات کے خلاف ہے۔ ابو کتنے بھی آگے کیوں نہ چلے جائیں، خاندانی روایات پر ہر کسی کی خوشی قربان کر سکتے ہیں"

عائشہ مسکرا دی۔ لاپرواہی سے شانے جھٹکے پھر آہستہ آہستہ پُراعتماد لہجہ میں بولی۔

"دیدی۔ یہ صدیوں پُرانی باتیں ہیں"

"لیکن بہت سچی ہیں"

"فرسودہ ہوگئیں اب تو۔ کوئی سوچتا بھی نہیں ان کے متعلق"

"بہر حال میں نے تمھیں بتا دیا۔ اب تم نہ مانو تو تمھاری مرضی"

"غور کروں گی جس کی میں کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی"

"عائشہ" سائمہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ مدہم لہجے میں کسی قدر لاپرواہی سے بولی۔

" دیکھو دیدی۔ زندگی ایک ہی بار تو ملتی ہے وہ بھی انسان اپنی مرضی کے مطابق اپنی خوشیوں کے لئے نہ گزار سکے تو کیا فائدہ۔ دوسروں کی روایات اور اصولوں پر خود کو قربان تو نہیں کیا جا سکتا۔"

" یہ صرف تم ہی سوچ سکتی ہو؟" سائمہ کے چہرے پر دُکھ کا اثر اُبھر آیا ——
—— اور تمھاری اس سوچ میں کس قدر خود غرضی پنہاں ہے۔ یہ میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔"

" اچھا دیدی ایک بات بتاؤ۔" وہ اس کے نزدیک ہو بیٹھی۔

" اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔"

" میں سمجھتی ہوں کہ ایسی بات ناممکن ہے۔ اس لئے اُسے کرنے کی کوشش ہی نہ کرتی اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تو میں اس خود غرضی کا مظاہرہ نہ کر سکتی۔"

عائشہ لاپرواہی سے ہنس پڑی۔

" بس دیدی یہی تو ہم دونوں میں فرق ہے۔"

" اب تمھارا کیا پروگرام ہے۔"

" پتہ نہیں۔"

" پھر بھی۔"

" تمھاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔"

" نہ دعو رکھو۔ میں کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتی تمھاری۔ کم از کم اس معاملے میں نہیں۔ یہ باتیں تم خود ہی نپٹا سکتی ہو۔ میں جانتی ہوں تم میں اتنی جرأت ہے کہ اظہار بھی کر سکو۔ اپنے لئے تو بہت بری بات ہے۔ تمھارے لئے بھی ستائش

نہیں کر پاؤں گی۔"

عائشہ اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔ کیوٹکس آہستہ آہستہ ناخنوں سے اُتارتی رہی۔ کچھ سوچ سوچ کر مسکراتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر سائرہ کی طرف دیکھا۔ آہستہ سے پوچھنے لگی۔

"دیدی۔ فواد میں تو تمہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔"

سائرہ چُپ رہی۔ کچھ جواب نہ دے پائی۔

"ہے کوئی؟"

اُس نے چونک کر سر اُٹھایا۔

"تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

عائشہ ہنسی۔ ایک دم سے اُٹھی اور پاس آگئی۔ آہستہ سے اُس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

"دیدی سویٹ۔ خوش رہو۔ تمہاری کچھ عادتیں مجھے بہت پسند ہیں۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چل دی۔

عمران حسبِ معمول تھا۔ اعتدال میں رہتا۔ ریحان کی دوستی سنجیدگی کی حدود میں آگئی تھی۔ اُس نے اور لڑکیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کھلنڈرا پن بھی کم ہو رہا تھا۔ اکثر جگہوں میں دیکھا جاتا لیکن صرف اسی ایک لڑکی کے ساتھ۔ گھر میں پہلی بار سنجیدگی سے بات ہوئی۔ اُس روز بھی موجود تھے۔ ابا اور امی کی موجودگی میں ریحان نے جان بوجھ کر بات چھیڑی۔ امی حیران ہوئیں۔ ابا چُپ رہے۔ کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر سنجیدگی سے بولے۔

"بیٹے یہ شخصی آزادی کا سوال ہے۔ مجھے اس میں کچھ اعتراض نہ کرنا چاہئے لیکن چونکہ اب تم نے بات کی ہے تو میں اپنی رائے دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کم از کم میں اس بات کو اچھا نہیں سمجھتا۔ سوزین کی تہذیب، کلچر، رہن سہن ہر بات ہم سے مختلف ہے۔ وہ خود بھی اپنے کو اس ماحول میں رچا بسا محسوس نہ کرے گی اور شاید تم بھی چند ماہ سے زیادہ اس کے ساتھ سکون سے نہ گزار پاؤ۔"

امی بات کو سمجھ رہی تھیں ناراض ہو کر بولیں۔

"ریحان یہ کبھی نہیں ہو سکتا"

"امی حضور اس میں کوئی حرج نہیں"

وہ اتنے پرسکون انداز میں بولا تھا کہ وہ جھنجھلا گئیں۔

"تو میں اس گھر میں نہیں رہوں گی"

"زرینہ" ابا نے دخل اندازی کی۔ بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"جلد بازی کی باتیں نہ کرو۔ بچوں کو سمجھانے کے اور بھی طریقے ہوتے ہیں۔

"لیکن یہ آخر اسے سوجھی کیا؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اس عمر میں کوئی حرج بھی نہیں۔ لیکن بات بیاہ پر آجائے تو خطرناک ہو جاتی ہے ریحان تم خود اچھی طرح سوچ لو"

امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ سب نہیں ہو گا"

وہ غصہ میں بھری چل دیں پاؤں پٹکتی ہوئی۔

ابّو نے سمجھانے کی کوشش کی۔ سائمہ نے سر مارا۔ لیکن ریحان ایک بات پر جو اَڑ گیا تو کسی کی نہ سُنی ۔ میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔ وہ یہی ایک بات کہتا رہا سوزین بہت اچھی ہے وہ اس گھر میں رچ جائے گی۔ اُسے یہاں کے ماحول سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ رہی اخراجات کی بات تو خواہ مجھے کتنا ہی کام کیوں نہ کرنا پڑے۔ اُس کی خاطر سبھی کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔ اُس کے لہجے میں کچھ ایسا عزم تھا کہ ابّو چُپ رہ گئے۔ موضوع بدل دیا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر خاموشی سے باہر چلے گئے۔

عمران ایک میگزین دیکھ رہا تھا۔ ابو کے جانے کے بعد اُس نے سر اُٹھایا ریحان کی طرف دیکھا۔ پھر کسی سوچ میں ڈوبی سائمہ کی طرف اور آہستہ سے ہنس پڑا۔

" کیوں سائمہ بی بی کن خیالوں میں ہو؟"

وہ چند لمحے یونہی اُسے تکتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

" کچھ سمجھ نہیں آئی مجھے ؟"

" ریحان نے خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع کیا۔ لیکن وہ تمہارے سمجھنے کے لئے تھا بھی نہیں۔ دراصل وہ تو ابّا حضور کے گوش گزار کرنا چاہتا تھا اور وہ ہو گیا۔

" ابا جان کو افسوس ہوا ہے ؟"

" ہاں ہوا تو ہے " ریحان مُڑ کر بولا۔

" لیکن آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا ؟"

عمران دبے انداز میں ہنس پڑا۔

" اپنی ان ولایتی محترمہ کو رکھو گے کہاں ؟"

وہ بڑے عزم سے بولا

"جہاں میں خود رہوں گا۔"

"امید تو نہیں۔ تمھاری اس ناخلفی کے بعد آبا تمھیں اسی چھت تلے کم ہی برداشت کریں گے۔ فی الحال انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ شاید اسے تمھاری بیوقوفی سمجھتے ہوں۔"

"بھیا" وہ چڑ کر بولا

"اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔"

عمران لاپرواہی سے مسکرا دیا۔

"بزرگ اسی طرح سوچتے ہیں۔"

"خیر۔ پروا نہیں۔"

وہ اٹھا کمرے کا ایک چکر لگایا۔ پھر منہ سے آہستہ آہستہ وسل کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ عمران خاموش بیٹھی سائمہ کی طرف مڑا۔

"تمھارا اپنا کیا خیال ہے۔"

"میرے خیال میں کوئی حرج تو نہیں۔ لیکن اوروں کو اچھا نہ لگے گا۔ امی۔ ابّو کو افسوس ہوگا۔ امی تو شاید کبھی بھی اپنی رضامندی نہ دیں۔ وہ بہو ہی کیسی کہ جس سے اشاروں میں بات چیت ہو سکے۔ زباں تک نہ آتی ہو۔"

وہ ذرا سا مسکرا دی۔

"اور دادی اماں کا تو نماز روزہ جائز نہ رہے گا۔ بقول ان کے۔"

عمران لمبا سانس لے کر بولا

"خیر یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے سب لیکن یہ

ریحان کو سوجھی کیا مجھے کبھی خیال تک نہ آیا تھا کہ وہ اتنا سنجیدہ ہو رہا ہے۔"

"خیال آبھی جاتا تو کیا کر سکتے تھے۔"

وہ ہنس پڑا

"کچھ روڑے اٹکانے کی کوشش کی جاتی۔"

سائمہ ہنس پڑی آہستہ سے بولی

"وہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ اگر چاہو تو۔ لیکن ریحان کو سمجھانا کارے دارد والا معاملہ ہے۔ مجھے تو لگتا ہے شاید بیاہ کر بھی لیا ہو۔"

"ایسا غیر ذمہ دار تو نہیں۔ اور پھر وہ اگر چاہے بھی تو سوزین ایسا نہ کرے گی۔ بہت ہوشیار ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔"

"میں تو بور ہو گئی ہوں ان سب سے۔"

"عائشہ نظر نہیں آرہی"

پرسوں امتحان ہے شاید کمرے میں پڑھ رہی ہو۔ ورنہ مجھے اس سے توقع تو نہیں۔ دونوں بہن بھائیوں کا لاڈ میں ستیاناس ہو گیا ہے۔ کسی کی ذرا سی پروا بھی جو ہو۔"

"عائشہ تمھاری نہیں سنتی۔"

سائمہ کو ہنسی آگئی

"وہ سننے سنانے کی سٹیج سے گزر چکی اور کسی کی نہیں سنتی۔ بھلا میری بات کا کیا ہی اثر ہوگا۔ محترمہ خاصی خودسر ہیں۔ لوگوں کی جائز و ناجائز ستائش نے اور کام خراب کیا ہے۔ خود پسندی کی ایسی عادت پڑ (گئی) ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"چھوڑو دیکھیں گے۔" عمران نے تھک کر جمائی لی۔

"کوئی کافی چائے پلواؤ پنیز۔"

"اچھا۔ انتظار کرو۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گیلری میں سے گزر کر کچن میں چلی گئی۔ پھر کتنے ہی روز ہنگامہ سا رہا۔ امّی کسی صورت رضامند نہ ہوئیں۔ ابّو نے ریحان کو پیار سے سمجھایا۔ ڈانٹا بھی بہت گھر میں کوئی خوش نہ تھا سوائے عائشہ کے۔ سائمہ کی بات ہوئی تو وہ سب بڑے اطمینان سے سنتی رہی۔ پھر ہنستی ہوئی بولی۔

"مجھے ریحان سے یہی امید تھی۔"

"مطلب"

"مطلب یہی کہ مجھے بہت دیر سے پتہ تھا۔ ریحان کتنا سیریس ہے۔ اس کا اندازہ تو ہو ہی رہا تھا۔"

"پھر بتایا کیوں نہیں۔"

"آپ کی آنکھیں بھی تو کھلی ہوتی ہیں۔"

"آنکھیں کس کس کے لیے کھلی ہوں۔"

وہ مسکرا دی

"وہ تو صرف میرے لئے ہیں۔"

"خیر۔ کچھ اچھی بات نہیں۔"

"کیا ہوا دیدی۔ اچھا ہے ماحول میں تبدیلی ہو گی۔ امی ابو کا یہ دقیانوسی پن ختم ہو جائے گا۔"

"فضول باتیں نہ کیا کرو"

"ڈیڈی تمھاری اتنی پڑھائی کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ویسی کی ویسی کوری ہی رہیں۔ ذرا جو وسیع النظری آئی ہو"

سائمہ بُرا مان گئی۔

"مجھے تو بخشو بنو۔ میں باز آئی"

ابو پریشان تھے۔ ہر پہلو سے سوچ سکے۔ ریحان کو سمجھا چکے۔ لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ ای کی سسکیوں، آرزوؤں کا کچھ خیال نہ آیا۔ ہر کسی نے اعتراضات شروع کیے تو وہ جھنجھلا اُٹھا۔

"آپ لوگ چاہیں تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ اگر میری خوشیوں میں شریک نہیں ہو سکتے تو میں گھر کا ماحول کیوں خراب کروں۔ خود ہی علیحدہ کیوں نہ ہو جاؤں"

"کیسی بات کرتے ہو ریحان،" ابو پریشان تھے۔

"سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو"

وہ لجاجت سے بولا

"ابو آپ مان کیوں نہیں جاتے"

"اپنی امی کو رضامند کر لو"

اور اگر کر لوں تو ——!"

انھوں نے ریحان کے چہرے پر پھیلتی چمک کو دیکھا، چند لمحوں کو کچھ سوچا۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"تمہاری بات۔ مجھے تمھاری خوشی مقدم ہے۔ لیکن یہ فیصلہ تمھارا ہے۔ بعد میں کوئی

ایسی بات نہ ہو"

میں امی کو منالوں گا"

وہ تم دونوں کا معاملہ ہے۔ لیکن ماں کی خوشیوں کا خیال رکھنا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ انھیں دُکھ ہو"

کمرے میں خاموشی تھی۔ سائمہ ابو کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر زردی تھی اور دُکھ کا ہلکا سا تاثر۔ وہ چند لمحے کھڑے سوچتے رہے۔ پھر باہر جانے کو بڑھے۔

"سائمہ تم میرے ساتھ آؤ"

اور پھر چند روز بعد ایک اہم فیصلہ ہو گیا۔ گھر میں کوئی خوش نہ تھا۔ ابو پریشان تھے امی کو ہلکا سا بخار آرہا تھا۔ سائمہ چپ سی تھی۔ عائشہ امتحان ہونے کے باوجود خوش تھی، اور ریحان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

سوزین اب بھی آتی تھی، بہت خوش نظر آتی۔ سائمہ سے اُن کے دوستانہ مراسم تھے بہت پہلے سے۔ گھر میں سب سے زیادہ اُس کی عائشہ سے بنتی تھی۔ سائمہ سے تھوڑا تکلف ضرور تھا لیکن اب سوزین گھر آتی تو سائمہ اجنبیت سی محسوس کرتی۔ کچھ کھنچی کھنچی سی تھی۔ چپ چپ رہتی۔ ریحان نے اُس کے رویّہ میں تبدیلی کو دیکھا۔ ایک دو بار چپ رہا۔ ایک دن نہ ہی رہ سکا۔ سوزین چلی گئی تو وہ سائمہ کو گھیر بیٹھا۔

"شمو دیدی مجھے تم سے یہ امید نہ تھی"

"کیا ہوا بھیّا"

"تم خوش نہیں ہو"

"بس ٹھیک ہے۔ تم تو خوش ہو!"

"بہت"

وہ ہنس پڑی۔

"اتنا ہی بہت ہے۔ اور دوں کی تم پرواہ نہ کرو۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔
یوں بھی ہر کسی کی خوشی ہو بھی نہیں سکتی"

"دیدی مجھے اس طرح دُکھ ہوتا ہے"

"اپنا دل چھوٹا نہ کرو بھیّا۔ اب تو تمھیں خوش ہونا چاہیئے۔ چَین کی بنسی بجاؤ"

اُس نے اُس کے شانے پر تھپکی دی اور ہنستی ہوئی چل دی

شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ریحان بہت خوش خوش پھرتا۔ سوزین کو ساتھ لئے شاپنگ کے لئے جاتا۔ ہوٹلوں۔ کلبوں میں گھومتا رہتا۔ ایک روز شام کو گھر آیا خاصا خوش تھا۔ سیدھا سائمہ کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ میز پر ٹانگیں ٹکائے خط لکھ رہی تھی۔ ریحان کو دیکھ سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیا ہو رہا ہے دیدی"

"دیکھ سکتے ہو۔"

"خط لکھا جا رہا ہے۔ کس کو دیدی؟"

وہ ذرا سا مسکرا دی۔

"اپنی تو دو ایک دوستیں ہی ہیں، اور کون ہوگا"

"ممو دیدی۔ سوزین کے لئے کچھ کپڑے خریدنے ہیں۔ اپنی مرضی سے خرید لو۔ وہ بھلا کہاں ہماری ماری ساتھ پھرے گی؟"

"اور جو اُسے میری خریدے پسند نہ آئے تو۔"

وہ ہنس پڑا۔ آہستہ سے بولا۔

تمھارے خریدے بھی پسند نہ آئے تو پھر اُسے کچھ پسند آہی نہیں سکتا۔ تمھاری چوائس پر تو آنکھیں بند کر کے چلا جا سکتا ہے۔"

"دل خوش کر رہے ہو؟"

"تمھارا دل خوش ہی رہتا ہے۔"

وہ اُٹھ کر چل دیا۔ سائمہ نے دوبارہ خط لکھنے کی کوشش کی لیکن کچھ سوچیں ایسی تھیں کہ موڈ نہ بن سکا۔ پیڈ اور قلم ایک طرف رکھ دیا۔ ٹھوڑی ہاتھوں پر ٹکائے خاموش سے بیٹھی رہی۔ بار بار خیال آتا رہا۔ یہ پیار کیا چیز ہے۔ کیسا جذبہ ہے کہ انسان ہر کسی کو چھوڑنے پر تیار ہو جائے۔ کسی اور کی پروا نہ رہ جائے۔ ریحان کتنا خوش ہے۔ یوں جیسے سوزین کو پا کر اُسے سب کچھ ہی مل گیا ہو۔ عائشہ جواد کی باتیں کتنی دلچسپی سے کرتی ہے۔ معاملہ کچھ بڑھ گیا ہے۔ اور یہ ایسی اچھی بات نہیں۔ ریحان کے لئے ابا جان اگر رضامند ہو گئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سبھی کے لئے رستہ کھل گیا ہو۔ عائشہ کو سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہیئے۔ بزرگوں کا پیار بھی بہت ہوتا ہے۔ لیکن غصہ بھی اسی مناسبت سے آتا ہے انھیں۔ وہ سب کی لاڈلی سہی لیکن آزادی۔ اور یہ شخصی آزادی اس کے لئے نہیں۔ کسی بھی لڑکی کے لئے نہیں۔ لڑکیاں کسی کو پسند کر سکتی ہیں۔ اُس کا ہاتھ نہیں تھام سکتیں۔ کیوں کہ ساری روایات، خاندان کی عزت کا مسئلہ ہمیشہ ان پہ آ کے ختم ہو جاتا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے بعد اب بھی وہ بھیڑ بکریوں کی طرح خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔ کوئی ہی ایسی ہو جو گلے میں پڑی زنجیر توڑ کر اپنی پسند کی راہ پر بھاگ نکلے اور اپنے ریوڑ سے ساتھ چھڑا کر جانا کیسا صبر آزما ہوتا ہوگا اور کتنا جان لیوا بھی۔

دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا۔ وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ سر موڑ کر دیکھا وہ عائشہ تھی۔ دروازہ کے درمیان کھڑی بڑی خوبصورتی سے مسکرا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی۔

"دیدی تمھارا فون تھا۔ لیکن تم موجود نہیں لگتی ہو۔ کہو تو انکار کر دوں۔ کہدوں سائمہ کا اس وقت بات کرنے کا موڈ نہیں۔

"کس کا فون ہے؟"

وہ شرارت سے ہنس پڑی۔

"ذرا بھاری سی آواز ہے"

وہ عجلت میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازہ کھول کر گیلری میں آ گئی۔ فون کا رسیور اُٹھا کر سنا وہ منصور تھا۔ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ سائمہ کو اتنا اچھا لگا، ایسا دلچسپ۔

"امی جا رہی ہیں۔ کل آ کر ملو"

"اور اگر نہ آ پاؤں تو"

"نہ آنے کی وجہ۔ بھلا ایسی کیا بات ہو گئی"

"پہلے کیوں نہیں بتایا کہ امی جا رہی ہیں"

"ورنہ آپ پہلے ہی آ کر مل جاتیں"

"ہاں۔ شاید"

"اب کیا ہوا۔ نہیں سکتی ہو کیا۔ ایسی کیا مصروفیات ہو گئیں کہ آپ کہیں نکل ہی نہ سکیں۔ یا کچھ اور بات ہے"

"کیا مطلب"

"مصروفیات کا رُخ کہیں اور ہو گیا ہے۔"

اب سائمہ کی ہنسی تھی، ہنستی ہوئی بولی

"ہاں۔ یہی بات ہے۔"

"کیا کہتی ہو سائمہ۔" وہ حیران ہو کر بولا

"یہ تم بول رہی ہو۔"

وہ پھر ہنس دی آہستہ سے کہنے لگی

"ہاں، یہ میں ہی بول رہی ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ریحان کا بیاہ ہو رہا ہے اس کی وجہ سے مصروفیات میں اضافہ ہو گیا۔ بہت سے کام کرنے والے ہیں لیکن میں کل کسی وقت آؤں گی ضرور۔ امّی سے ملنے۔"

"میری موجودگی میں آنا"

"یہ کوئی شرط نہیں۔"

"تمھیں اچھا نہیں لگتا کیا۔"

"اس میں اچھا بُرا لگنے کی بات ہی کیا ہے۔"

"ہے نا"

"خیر دیکھوں گی۔ یونیورسٹی سے واپسی پہ جلدی فارغ ہو گئی تو ضرور آؤں گی ورنہ شام کو سہی۔ عائشہ ساتھ آجائے گی۔"

"ضرور۔ کسی کو بھی لے آئیں۔"

اُس نے فون بند کر دیا۔

فون کا ریسیور رکھ کر وہ اندر آئی۔ عائشہ پہلے سے ہی تیار بیٹھی تھی۔ مسکراتی ہوئی بولی۔

"ڈیڈی آدمی بُرا نہیں"

سائرہ ایک لمحے کو چُپ کھڑی رہ گئی۔ اس کی پیشانی پر ناگواری کی ہلکی ہلکی شکنیں تھیں۔

"فضول باتیں نہ کیا کرو"

"بھئی کسی کی تعریف کرنے میں بُرائی کیا ہے؟"

"تمھیں تعریف کرنے کی ضرورت بھی کیا"

"اچھا۔ آئندہ سے بُرائی کیا کروں گی"

"اپنے کام سے مطلب رکھا کرو"

"وہ تو ہے ہی۔ کبھی میں نے کسی سے کچھ پوچھا ہے۔ آپ تو خواہ مخواہ اعتراض کرتی ہیں۔ غصہ کسی کا اور اتارتی کسی اور پر ہیں۔ ہیں نا؟"

"کل سوزین کے لئے کچھ شاپنگ کرنی ہے؟"

"کل تو آپ جا رہی ہیں"

وہ حیران ہو کر بولی

"تمھیں کس نے کہا"

"آپ خود ہی تو بات کر رہی تھیں"

"تو تم میری باتیں سُن رہی تھیں"

"کیا کان بند کر لیتی"

"بڑی بات ——" سائمہ مسکرادی

"شرارتی ہوگئی ہو"

"شروع سے تھی"

"اماں کل تمھیں پھٹکار رہی تھیں"

وہ لاپرواہی سے بولی

"اُن کی عادت ہے"

"تمھیں کچھ احساس نہیں"

"مجھے اپنا احساس جو ہے۔ وہی کیا کم ہے"

"خودغرض ہو بہت"

"خوشی کی بات ہے۔ ہونا ہی چاہیئے"

"کوئی ایسی خوبی نہیں"

عائشہ ہنس پڑی جواب کچھ نہیں دیا۔

دوسرے دن سائمہ یونیورسٹی میں مصروف رہی۔ گھر دیر سے واپس آئی۔ شام کو کچھ ایسے مہمان آگئے کہ وہ نکل ہی نہ پائی۔ رات ہو رہی تھی جب فراغت ہوئی اُس وقت منصور کی امی کا خیال آیا۔ ایک دم سے دھک سے رہ گئی۔ ہائے اللہ ایسی بھی کیا مصروفیت کہ سبھی کچھ بھول جائے۔ وہ پریشان کھڑی سوچتی رہی۔ کسی کام میں دل نہ لگا۔ رات تھا فون کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ اپنے کمرے میں چپ چاپ بستر میں لیٹی کروٹیں بدلتی رہی

دوسرے دن یونیورسٹی میں کلاسوں سے فارغ ہو کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں آئی تو سامنے ہی کرسی پر منصور بیٹھا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ وہ مسکراتی ہوئی بڑھی۔

"آپ کیسے بھول پڑے"
وہ خوشگوار موڈ میں بولا
"جب آپ کو کچھ یاد نہ رہے تو ہمیں ہی بھولنا پڑتا ہے"
سائمہ نے معذرت کی۔ اپنی مصروفیات کا بتایا۔ نہ آنے کے متعلق افسوس ظاہر کیا۔ پھر امّی کا پوچھا تو وہ بولا
"چلی گئیں۔ تم سے ملنے کا موڈ تھا اُن کا بھی"
"مجھے افسوس ہے"
وہ مسکراتے ہوئے بولا
"میں آج خاص طور پر تم سے لڑنے آیا تھا لیکن یہاں آکر موڈ ہی بدل گیا۔ دراصل تم پر غصہ آ ہی نہیں سکتا۔ میں بڑا اکھڑ انسان ہوں لیکن تم سے کچھ کہنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا۔ بہت غصہ ہو تو بھی چُپ رہ جاتا ہوں۔ اپنی اس تبدیلی پر مجھے خود حیرت ہے"
سائمہ کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آگئی۔ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔
"کیا پئیں گے"
کچھ نہیں۔ آفس چھوڑ کر آرہا ہوں۔ اب جاؤں پھر کبھی تم سے یہ اُدھار چکا لیں گے"
"اتنی جلدی ہے"
"ہے کچھ" وہ مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔
اور لوگوں کی باتیں اتنی جلدی نہ بھول جایا کرو۔ یہ بھول جانے کی عادت کچھ اچھی نہیں ہوتی۔ کہیں کوئی اور اہم بات بھول گئیں تو مداوا بھی نہ ہوسکے گا۔ اچھا"
سائمہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پلکیں جھپک جھپک کر اُسے دیکھتی رہی۔ وہ چلا گیا تو

بھی کتنی ہی دیر اپنی کرسی میں بیٹھی اُسی کے متعلق سوچتی رہی۔ سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہی۔ اُس میں کتنی خوبیاں تھیں۔ اس کے متعلق غور کرتی رہی۔ کیا کسی انسان میں ایک ساتھ اتنی باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اُس کی کچھ عادتیں بھی اُسے پسند تھیں۔ اپنے مخصوص انداز میں خود اعتمادی سے باتیں کرتا ہوا ایسا اچھا معلوم ہوتا۔ دقیق مسئلوں پر ایسی آسانی سے بحث کرتا کہ وہ حیران رہ جاتی۔ تصویریں بناتے ہوئے چہرے پر ایسی لاپرواہی جھلکتی اور مکمل کر کے اس کے چہرے پر ایسی روشنی آجاتی۔ نامحسوس سی چمک کہ دل چاہتا دیکھتی ہی چلی جائے۔ نظر ہی نہ ہٹائے۔ اکھڑ وہ ضرور تھا کبھی بات کرتے ہوئے بدتمیزی پر اُتر آتا۔ کسی کا لحاظ نہ کرتا۔ لیکن سائمہ کے ساتھ معاملہ دوسرا تھا۔ غصہ میں بھی آتا لیکن ضبط کر جاتا۔ کبھی سائمہ سے بات کرتے ہوئے اظہار نہ کرتا۔

اُس روز وہ آیا تو بہت خوش تھا۔ وہ اطمینان سے باتیں کر رہی تھی۔ اچانک وہ مڑا اور اُس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تھوڑی سی ڈرائیو پر چلتی ہو سائمہ"

وہ ہنس پڑی

"اس بھری دوپہر میں، یہ تمھیں کیا سوجھی۔"

"کبھی پھر کیا ہوا۔ مجھے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"وہ یہاں بھی ہو سکتی ہیں۔"

"نہ —— کبھی کوئی چپراسی چلا آتا ہے کبھی تمھاری کوئی دوست سہیلی اور کچھ نہیں تو کوئی شاگرد محترمہ ہی دستک دے ڈالیں گی۔"

"میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی۔"

"ایسی کیا بات ہے؟"

"بھئی ڈیوٹی ہے۔ سرکار سے تنخواہ ملتی ہے۔ جواب مل جائے اس کی جگہ۔"

"سروس کی اتنی پروا کرتی ہو؟"

"کیوں۔ نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو؟"

"اچھا!" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے اس بات کی توقع نہ تھی۔"

"وہ ضروری بات کون سی تھی؟"

وہ آہستہ سے ہنس دیا۔

"تھی نہیں۔ اب بھی ہے۔"

"بتا چکو پھر۔"

"اب موڈ نہیں رہا۔"

"نخرے کرتے ہو؟"

"مرد اِن فضولیات میں نہیں پڑا کرتے۔"

"پھر کیوں بات کو لمبا کر رہے ہو؟"

وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آہستہ سے ہنسا، پھر ایک دم سے بولا۔

"میں نے منگنی توڑ دی۔"

سائمہ حیرت زدہ سی اُسے دیکھتی رہ گئی۔ کچھ بھی نہ بول سکی۔ منصور کی بچپن کی منگنی کا ذکر ایک بار صباحت نے تو کیا تھا لیکن بات کچھ ایسے سرسری انداز میں ہوئی تھی کہ سائمہ بھول بھی چکی تھی۔ منصور سے ملتے ہوئے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ وہ کسی اور سے منسوب

بھی تھا۔ کبھی اس موضوع پر سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

خاصی دیر بعد وہ سنبھلی

"کیوں توڑ دی؟"

"ابھی تو بندھن اتنا مضبوط نہ ہوا تھا اور کچھ رشتے توڑنے کے لئے ہی ہوتے ہیں وہ اور لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کی خوشیوں کے لئے خود کو قربان کر دیتے ہیں۔ جو ساتھی دل کو نہ لگے اس سے بہتر ہے اکیلا رہ لیا جائے۔ زندگی بہتر طریقے سے گزر سکتی ہے۔"

"مجھے کچھ خوشی نہیں ہوئی۔"

"کیوں"

"میں تو اس ایک لڑکی کا سوچ رہی ہوں جس نے نہ جانے کتنے خواب دیکھے ہوں گے۔ ایسے خواب جن کے شہزادے تم تھے۔ اور اب تمھارے اس فیصلے سے وہ کس بلندی سے نیچے آگری ہوگی۔ کیا کبھی سوچا تم نے؟"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا

"ثمو — تم بہت جذباتی ہو۔ وہ ایسی لڑکی تھی جو سپنے نہیں دیکھتی۔ اسے ان باتوں کی فرصت ہی کہاں۔ اس کو تو کسی بھی گھر میں بھیج دو وہ خوش رہے گی اپنے کاموں میں اسے وقت ہی کہاں کہ کسی نازک احساسات کا گزر ہو، اور پھر وہ میری عادت، بیزاری، اکھڑپن سے خود بھی خائف تھی۔ کیا پتہ اسے خوشی ہی ہوئی ہو۔"

"خود کو بری الذمہ کر رہے ہو۔ حق بجانب سمجھتے ہو۔ بہرحال تم خوش ہو تو میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ درست ہی کیا ہوگا۔ لیکن ایک بات کا مشورہ

ضرور دوں گی۔"

سائرہ نے شرارت سے اُس کی طرف دیکھا۔ چہرے پر ہلکی سی چمک تھی۔ منصور ذرا سا اُس کی طرف جھک آیا۔

"ارشاد"

"یہی کہ اب سوچ سمجھ کر ساتھی کا انتخاب کرنا۔ تمھاری ذہنی آسودگی پھر تشنہ ہی نہ رہ جائے۔ ورنہ کسی کو الزام بھی نہ دے پاؤ گے۔"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔ اپنے مخصوص انداز میں۔ ہلکا سا تمسخر نمایاں تھا۔

"وہ تو ہوگا ہی۔ انتخاب کی داد دیں گے لوگ۔"

"اتنا یقین ہے۔"

"اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

وہ مسکرا دی بولی کچھ نہیں۔

"بہرحال مشورے کا شکریہ۔"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"لو بھئی۔ بیچارے ہم۔ صباحت تمھیں یاد کرتی تھی، کبھی فرصت ملے تو ہو ہی آنا۔ ہمیشہ اپنی عدیم الفرصتی کا بہانہ نہ کیا کرو۔"

سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ چلا گیا۔ پردہ آہستہ آہستہ ہل رہا تھا اور ہلتے پردے سے اس پار بیٹھی وہ دونوں ہاتھوں میں سر دئے سوچ رہی تھی۔ بچپن کا ناطہ توڑنا ایسا آسان نہیں ہوتا۔ خیر نہیں خاندان بھر میں کتنے لوگوں سے جھگڑا ہوا ہوگا۔ کس کس کی مخالفت مول لی ہوگی۔ لیکن اتنے عرصہ بعد منگنی توڑنے کا خیال کیوں کر آیا۔ یہ

سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتی رہی۔ ہر بار ایک خیال ذہن میں آتا جس کو وہ زبردستی جھٹک دیتی۔ اُس کے متعلق تو وہ سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔ اُس میں بھلا اٹک ہی کیا تھا اپنے بندھنوں کا اُسے اندازہ تھا کسی قسم کی بیوقوفی کی ہمت وہ خود میں نہ پاتی تھی۔ خواہ مخواہ سپنے بننے کا فائدہ بھی کیا۔ منصور ایک دوست کی حد تک ہی ٹھیک تھا۔ اُس کے پاس بیٹھ کر باتیں کر کے خوشی ہوتی اور یہی بہت تھا۔ اس کے علاوہ وہ اور کچھ سوچنا ہی نہ چاہتی تھی۔ گھر میں سب اس کی عزت کرتے تھے۔ وہ روشنی کے ایک ایسے مینار کی مانند تھی جسے دیکھ کر سمتیں مقرر کرتے ہیں اور وہ روشنی کا مینار سرنگوں کرنا نہ چاہتی تھی اور سبھی لوگ جو دل چاہے کرتے رہیں جیسے بھی فیصلے کریں۔ لیکن اس کے متعلق سب کے اعتماد کو وہ توڑنا نہ چاہتی تھی۔ اُس کے کسی ایک غلط فیصلے سے امّی، ابّو کو کتنا دُکھ ہوگا۔ اس کا اندازہ اُسے بہت اچھی طرح تھا۔

شادی کا دن نزدیک آ گیا تھا۔ ہر کوئی مقدور کے مطابق بہت مصروف تھا۔ یہاں تک کہ عائشہ بھی گنتے ہی کام نپٹا رہی تھی۔ بازار کے چکر، زیادہ تر خرید وفروخت اُسی نے کی۔ امّی کی ناراضگی بدستور تھی۔ لیکن کسی حد تک موڈ کو درست کر لیا تھا حصّہ لے رہی تھیں لیکن کچھ بے دلی کے ساتھ۔ عمران اپنے مخصوص انداز میں سنجیدگی کے ساتھ ہر کام کو نبھا رہا تھا۔

برات کے روز منصور سے صرف چند لمحوں کے لئے ہی ملاقات ہو پائی۔ ابھی چلنے میں تھوڑی سی دیر تھی۔ سائمہ جس گاڑی میں بیٹھی تھی وہ پیچھے رہ گئی۔ ٹریفک چند لمحوں کے لئے رُک گئی تھی۔ سائمہ کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ خوبصورت ساڑھی میں ملبوس ہلکے ہلکے زیور کے ساتھ چمک رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھی دوست کے ساتھ

باتیں کر رہی تھی۔ اس وقت ہی کار کے شیشے کے ساتھ کسی نے دو انگلیوں سے ہلکا سا شور کیا۔ سائمہ نے دیکھا اور فوراً ہی شیشہ نیچے کر دیا۔ وہ منصور تھا۔ گہرے رنگ کے سوٹ میں بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔ وہ اردگرد کی پروا کئے بنا ہر قسم کے تکلف کو بالائے طاق رکھ کر بول اُٹھی۔

"ہیلو، منصور۔ کیسے ہو؟"

وہ بڑے خوشگوار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ چہرے پر وہ ہمیشہ کی خوبصورت سی چمک تھی جو سائمہ کو بہت پسند تھی۔ ہمیشہ دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔

"کب آئے"

"ابھی تھوڑی دیر ہوا۔ اب گاڑیاں رکیں تو سوچا آپ کو سلام ہی کر لیں۔"

"سب ٹھیک ہے۔"

"بالکل"

اور وہ مسکراتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔

ان چند لمحوں کی بات سے ہی وہ خوش ہو گئی۔ اتنا اچھا لگا۔ دل چاہا وہ لمحے منجمد ہو جائیں۔ وقت وہیں تھم جائے۔ سارا راستہ خواب دیکھتے ہی گزر گیا۔ کتنی ہی بار منصور کا ہیولا ذہن میں اُبھرتا رہا۔ وہی خوبصورت مسکراہٹ۔ لاپروا انداز۔

دوسرے روز ابو نے گھر پر ہی انتظام کیا۔ بہت لوگ مدعو تھے۔ گھر میں پہلی شادی تھی۔ سارے ہی رشتہ دار۔ برادری کے لوگ جمع تھے۔ ہر کسی کے دوست سہیلیاں اکٹھی تھیں۔ عائشہ سب سے زیادہ مصروف تھی۔ اِدھر سے اُدھر چہکتی ہوئی پھر رہی تھی۔ شوخ کپڑوں میں غضب کی لگ رہی تھی۔ حسین تو پہلے ہی تھی۔ میک اپ اور زیور نے قیامت

بنا دیا تھا جس طرف سے گزر جاتی ہر کوئی مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہوتا۔ فواد بھی آیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح پُروقار، سنجیدہ اور حسین تھا۔ عائشہ کسی کی بھی پروا کئے بنا خاطر و مدارات میں مصروف رہی۔ اس کے آس پاس پھرتی رہی کسی نہ کسی بہانے اُس سے بات کر لیتی۔

صباحت اور شجاع بھی آئے تھے۔ منصور بھی آیا۔ شجاع کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ ارد گرد کے لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ سگریٹ پیتا رہا۔ سائمہ کسی کام سے اُدھر سے گزری تو شجاع نے اُسے روک لیا۔

"سائمہ بی بی۔ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

"شکریہ"

اُس نے ایک نظر اپنے خوبصورت کپڑوں پر ڈالی اور اُس کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی جھلک آئی۔ غیر ارادی طور پر ہی منصور کی طرف نظریں چلی گئیں۔ وہ گہری سی نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر تھی۔ آہستہ سے بولا

"کام سے فرصت مل گئی۔"

"کام تو کوئی ہے ہی نہیں۔ خواہ مخواہ خود کو مصروف ظاہر کر رہی ہوں۔ کچھ اپنی اہمیت کا بھی احساس ہوتا ہے اور دوسروں پر رعب بھی رہتا ہے۔"

"ہو بڑی ہوشیار بھئی۔"

"کیا کروں۔ ورنہ ریحان شکایت کرے گا۔ بڑا پیارا بھائی ہے اپنا۔"

منصور کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا

"یہ سوزین ہی کیوں پسند آئیں آپ لوگوں کو۔"

سائمہ نے کچھ حیران ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔

کوئی حرج ہے کیا؟"

"یہاں کی لڑکیاں کیا ہوئیں؟"

شجاع ہنس پڑا

"منصور میاں یہ تم بولے۔ تمھیں یہاں کی لڑکیوں سے کیا ہمدردی اور کیسا پیار۔ یہ منافقانہ رویّہ اچھا نہیں۔ کیا خبر ریحان کو بھی ذہنی وابستگی امریکہ ہی دے سکتا ہو؟"

سائمہ مسکرا دی۔ بنا کسی کڑواہٹ کے بولی۔

"ہاں لوگ تو اچھے بھلے بندھن توڑ دیتے ہیں؟"

"گھپلا ہے سب" شجاع بولا

"بیوی کیسی بھی ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

منصور جلدی سے بولا

"شجاع بھائی گھپلا تو آپ کرتے ہیں۔ نہ ہوئی آپ کی بیوی ویسی؟"

انھوں نے شرارت سے منصور کی طرف دیکھا

"ویسی کیسی"

"انجان بنتے ہیں؟"

"کبھی میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ایک عام سی بات کی ہے۔ زندگی کی قدریں ہی بدل گئیں۔ اب وہ پہلے والی بات کہاں۔ بیویوں تک کے معیار بدل گئے۔ شوہر منتخب کرنے میں پتہ نہیں کتنی اور خوبیوں کو پرکھا جاتا ہے؟"

"عمران کا بیاہ کب کر رہے ہیں"

سائمہ کو ہنسی آ گئی۔ آواز دبا کر بولی۔

"خود ہی کرلے گا۔ اب کون کسی کا انتظار کرتا ہے۔"

"اچھا ہے ذمہ داری کم ہوئی۔"

سائمہ منصور کی طرف بڑھی

"آپ کے خیالات باغیانہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیا ارادے ہیں۔"

"ارادے تو بہت اچھے ہیں۔"

شجاع مزاح سے ہنسا۔

"خدا توفیق دے۔"

کھانا شروع ہو گیا تھا۔ بوفے تھا۔ پردہ دار اور کچھ قدیم لوگ اندر ہی تھے۔ باقی سب کچھ مکس تھا۔ سائمہ اپنی پلیٹ ہاتھ میں لئے کھانے کے ساتھ ہی ساتھ خاطر و مدارات میں مصروف تھی۔ ذرا دیر کو وہ فواد کے پاس بھی رُک گئی۔

"آپ کیسے ہیں۔ بہت دیر میں ملاقات ہوئی۔ عائشہ کی زبانی ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے۔"

فواد نے اپنی بڑی بڑی بوجھل آنکھیں اُٹھا کر سائمہ کو دیکھا۔ تعظیماً ذرا سا جھکا مسکراتے ہوئے بولا

"آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا تھا۔ کچھ فرصت ہی نہیں ملی۔ امتحانوں کی وجہ سے مصروف رہا۔ پھر باہر چلا گیا۔"

"کام کیسا چل رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ وقت گزر رہا ہے۔"

"فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں۔"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔

"فارغ اوقات بہت کم ہی میسر آتے ہیں۔ ہوں بھی تو کسی پارٹی دعوت کی نذر ہو جاتے ہیں۔ سکون سے بیٹھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ کبھی کبھی تو اُلجھن ہونے لگتی ہے۔"

سائمہ مسکرا دی

"بعض اوقات مصروفیات خود ساختہ ہوتی ہیں۔"

وہ اُس کی بات سمجھ کر مسکرا دیا

"آپ کی سہولت کے لئے عرض ہے کہ مجھے بننے کی عادت نہیں۔"

"خوشی ہوئی سن کر۔"

وہ پلیٹ لئے دوسری طرف بڑھ گئی۔ صباحت اور منصور ایک کونے کی میز پر کھڑے کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں کر رہے تھے۔ سائمہ ان کی طرف آ گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو؟"

صباحت نے غور سے اُسے دیکھا

"تمہاری ہی ضرورت تھی۔ سو تم چلی آئیں۔ میں تمھیں دیکھ رہی تھی۔ یہ رنگ تمھیں بہت ہی بھلا لگ رہا ہے۔ نظر نہ لگ جائے کہیں کسی کی۔"

سائمہ مسکرا دی

"نظر لگنے کو اور بہت سی ہستیاں ہیں یہاں۔"

منصور نے سیدھا اس کی طرف دیکھا۔

"تم سے زیادہ"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"ٹھیک نہیں۔ بسوزین بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ یہ خالص مشرقی لباس بہت سجا ہے۔

یوں بھی لمبے قد پر غرارہ چلتا ہے اور سوزین کے تو نقوش بھی عام امریکی لڑکیوں کے مقابلے میں بہت اچھے ہیں۔ کیوں منصور؟"

صباحت اُس کی طرف مڑی۔ وہ ایک دم سے چونک پڑا۔ سوالیہ نظروں سے صباحت کی طرف دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

"تم کس دنیا میں ہو؟"

"میں کچھ اور سوچ رہا تھا؟"

"اب سوچنے کو کیا رہ گیا ہے۔ اب تو ساری ہی باتیں ختم ہو گئیں۔ تمہاری اُلجھنیں پریشانیاں۔ خوش نہیں ہو کیا؟"

"بہت خوش ہوں" وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔ سائمہ نے اُس کے چہرے پر پھیلتی روشنی کو دیکھا سنجیدگی سے بولی

"ستم ظریفی ہے لوگوں کی؟"

"ثمو" منصور اسے مخاطب کرتا ہوا بولا

"میں دعا کرتا ہوں تمہارا بیاہ کسی ایسی جگہ ہو جو انسان تمہیں بالکل پسند نہ ہو جس سے تمہیں کسی بات میں مناسبت نہ ہو؟"

"منصور" صباحت سرزنش کے انداز میں اُس کی طرف مڑی۔

"تمہیں ایسی کوئی بات نہ کہنا چاہیئے؟"

"آپ کو نہیں معلوم آپا۔ یہ بنتی بہت ہیں؟"

"تمہیں تنگ کرتی ہے۔ ورنہ حقیقت میں اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے؟"

"پوچھ لیں"

وہ مسکرا دیں

"بھئی پوچھنے کی بات ہی کیا ہے۔ کیوں سائمہ"

"میں تو سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ مجھے اُن کی یہ عادت ذرا جو پسند آئی ہو۔ اب بھلا ایسا بھی کیا۔ اپنی خوشیوں میں کسی اور کا خیال ہی نہیں۔ یہ تو کوئی بہادری نہ ہوئی"

"میں بہادر نہیں بنتا"

"کوئی بنانے سے تھوڑا ہی ہوتا ہے"

"خیر۔ آپ براہِ کرم زیادہ بور نہ کریں"

"میں معذرت چاہتی ہوں"

"تو آپ میں آداب بھی ہیں"

"کچھ زیادہ ہی"

لگتا تو نہیں۔ بالکل کوری معلوم ہوتی ہیں"

صباحت نے بیچ بچاؤ کیا۔ منصور کا وہ اکھڑپن واپس آتا معلوم ہوتا تھا۔ سائمہ خواہ مخواہ تنگ کئے جا رہی تھی۔ صباحت نے دونوں کو پیار سے ڈانٹا تو چپ ہوئے۔ موضوع کو بدلتے ہوئے کہنے لگیں۔

"سائمہ کسی روز گھر آؤ"

"ضرور۔ ذرا اس ہنگامے سے فرصت مل لے"

منصور تمسخر سے بولا

"بیاہ کسی ہوا، عدیم الفرصت آپ ہو گئیں"

"بس کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے پلیٹ رکھ کر اپنے لئے چائے لینے چل دی۔

شادی میں ہی کئی دن گزر گئے۔ ہنگامہ تھا کہ ابھی تک نہ رک رہا تھا۔ روز کہیں نہ کہیں کھانا، چائے ہوتی۔ سوزین کے آنے سے گھر کا ماحول ہی بدل گیا تھا۔ شام کو اکثر ہی مہمان آئے ہوتے جن میں ملکی اور غیر ملکی دونوں ہی شامل ہوتے۔ رات کو ریحان اور سوزین کلب چلے جاتے۔ دیر میں واپس آتے اور پھر دن چڑھے تک پڑے سوئے رہتے۔

عائشہ پاس ہو گئی تھی۔ نئی کلاس کے شوق میں کچھ تھوڑی بہت پڑھائی بھی کرتی۔ گھومنا پھرنا بدستور رہتا۔ کبھی ریحان اور سوزین کی دعوت پر کلب بھی چلی جاتی۔ بہت خوش باش رہتی۔ عمران اپنے کام میں ایسا مصروف ہو گیا تھا کہ اُن سب کی طرف بہت کم دھیان دیتا۔ توجہ دے ہی نہ سکتا۔ کھانے کے اوقات میں ہی ملاقات ہو جاتی۔

سائرہ اپنی دنیا میں مگن تھی۔ کچھ وقت یونیورسٹی میں گزر جاتا۔ گھر واپس آکر اِدھر اُدھر کتنے ہی کام پڑے ہوتے۔ کچھ نہ کچھ کرتی رہتی۔ بڑی ہونے کے ناطے سب کی خدمت اور مہمانوں کی خاطر و مدارات اسی کے ذمہ تھی۔ اکثر رات کو اتنا تھک جاتی

کر پڑھتے ہی سو جاتی۔ اُس روز ریحان اور سوزین کلب چلے گئے۔ عائشہ کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔ ساتھ کی کوٹھی میں کسی کی منگنی تھی امی وہاں گئی تھیں۔ سائمہ گھر میں اکیلی تھی۔ نوکر سے کرسیاں نکلوائیں اور لان میں آ بیٹھی۔ ہوا میں خنکی تھی اور ہلکی سی نمی۔ فضا میں بادل تیر رہے تھے، وہ اپنے کپ میں چائے انڈیلنے ہی لگی تھی کہ گیٹ کی راہ اندر داخل ہوتی کار کو دیکھ کر رک گئی۔ گاڑی اندر آ گئی۔ سائمہ نے چائے دانی رکھ دی۔ وہ منصور تھا۔ اُس کی یوں آمد غیر متوقع سی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر کچھ حیران ہوئی اور خوش بھی۔

"ہیلو، بھئی معاف کرنا" وہ گاڑی سے اترتا ہوا بولا

"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

"کوئی تکلف نہ کریں۔ میں بے تحاشہ بور ہو رہی تھی؟"

"پھر تو اچھا ہوا میں چلا آیا۔ ثروت آئی ہوئی تھی چند روز کے لئے۔ اُسے بھی ساتھ ہی لے آتا لیکن تھکی ہوئی تھی اس لئے آ نہ پائی؟"

"ثروت کیوں آ گئی؟"

"یونہی۔ میری تصویروں کی نمائش ہو رہی ہے۔ سُن کر مارے شوق کے چلی آئی؟"

"تصویروں کی نمائش" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔ پھر چائے اُنڈیلتے ہوئے کپ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ شاک کیوں دے رہے ہو؟"

"اس میں شاک کی کیا بات ہے؟"

"بھئی نہ اطلاع نہ خبر۔ حیرت نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا"

"خیر اب ہو رہی ہے۔ آپ حیران ہونا ہی چاہتی ہیں تو ضرور ہوں۔ میں کوئی اعتراض نہ کروں گا"

سائمہ ہنس پڑی

"ہمیں دعوت نامہ آئے گا"

"تمھیں تصویروں کا کیا ذوق اور سلیقہ"

"چلیئے نہ سہی۔ کون سا ہم دعوے ہی کرتے ہیں۔ اپنی کیا مجال کہ ذوقِ سلیم قسم کی کسی شے سے واسطہ ہو"

"غصہ کھا گئیں نا" وہ ہنسا

"یوں تمھیں معلوم ہے ہی"

"مجھے کچھ معلوم نہیں"

وہ موضوع بدلتا ہوا بولا

"سب لوگ کہاں گئے"

"نیا بیاہتا جوڑا کسی مشن پر نکلا تھا۔ اپنے ساتھ عائشہ کو بھی لے گیا۔ امی یہاں پاس ہی ایک جگہ گئی ہیں"

"اکیلی ہو گھر میں"

"عمران ابھی آجائے گا، اور پھر دادی بھی تو ہیں"

وہ مسکرا دیا آہستہ سے بولا

"اُن کا تو ہونا نہ ہونا برابر ہے"

"بزرگوں سے بڑی رونق ہوتی ہے۔ تمھیں شاید اس کا اندازہ نہیں"

"ہوگی بھئی۔ ایک بزرگ تو تم بھی ہو۔ سیر کو چلتی ہو"

"اس وقت؟"

"ہاں تھوڑی سی ڈرائیو کریں گے۔ بہت لطف آتا ہے آج کل۔ یوں بھی آج تو موسم کچھ اور بھی اچھا ہے"

"نہیں"

وہ اُس کے انکار پر حیران ہوا

"کیوں کیا ہوا"

"اچھا نہیں لگتا مجھے"

"تمھیں ساری ہی باتیں بُری لگتی ہیں"

"کسی کو خبر نہیں۔ اور میں یوں اُٹھ کر چلی جاؤں، دل نہیں مانتا"

وہ بُرا سا مُنہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"ساری پابندیاں تمھارے لئے ہی ہیں"

"کسی کے لئے تو ہوتی ہی ہیں"

"بہر حال۔ تمھاری مرضی"

"چائے اور پیو گے"

"پلوا دو۔ مجھے کہاں انکار ہے"

"اور کچھ؟"

"نہیں۔ شکریہ"

"دوپہر کا کھانا شروع کیا کہ نہیں"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا

"کہیں عادتیں بھی بدلتی ہیں۔ یوں بھی تھوڑی سی ڈائٹنگ ہو جاتی ہے"

"ضرورت تو نہیں۔ شاید فیشن کے طور پر کرتے ہو"

"یہی سمجھ لو" وہ مسکرا دیا

"تم اپنا خیال نہیں رکھتیں"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی

"ظاہر ہے جب مرد اپنا اتنا خیال کرتے ہوں تو عورتیں تو جتنا بھی کر سکیں کم ہے"

"بدلہ لینے میں ہوشیار ہو"

"شہناز کا بیاہ کہیں ہو رہا ہے"

وہ اُس کے سوال پر حیران ہوا۔ کچھ ناگواری سی محسوس کی۔ کچھ دیر چُپ رہا، پھر بات ٹالنے کو بولا۔

"ہو ہی جائے گا"

"ہو رہا ہے کیا"

"کچھ پتہ نہیں"

"اپنے چھوڑے قدموں کے نشان بھی نہیں دیکھتے ہو"

"ضرورت بھی کیا ہے"

"ہو بڑے سنگ دل"

"ہونا پڑتا ہے"

"کیوں"

"اپنی خوشیوں کے لئے"

"مرد بہت خود غرض ہوتے ہیں"

"عورتوں کے متعلق کیا فرماتی ہیں"

"گلے کی بھیڑیں۔ جس طرف گلہ بان کا دل چاہے ہانک دے۔ بلا چون وچرا اُدھر ہی بڑھتی چلی جائیں گی"

"اب وہ وقت نہیں رہا"

"عورتوں کے معاملے میں وقت ہمیشہ ٹھہر جاتا ہے"

وہ غور سے اُسے دیکھنے لگا

"تم بھی اتنی ہی کمزور ہو"

"اس سے بھی کچھ زیادہ ہی"

"مجھے تم سے خوف آنے لگا ہے"

"کیوں۔!"

"بس یوں ہی" وہ مسکراتا ہوا بولا

اِس بات کی اُمید مجھے تم سے نہ تھی۔ کوئی اور چھوٹی موٹی قسم کی لڑکی اِس قسم کا اظہار کرتی تو مجھے کوئی حیرت نہ ہوتی۔ لیکن تم اتنی تعلیم یافتہ، ماڈرن۔ اس صدی میں رہنے والی لڑکی ہو کر ایسی بزدل ہو۔ خدا کی قسم مجھے تو شاک ہوا"

سائمہ ہنس دی

"میرا ذہن صدیوں پرانا ہے"

"فضول باتیں کرتی ہو"

"اچھا" وہ لاپرواہی سے بولی

"نہ کرو یقین۔ پتہ چل جائے گا"

منصور نے موضوع بدل دیا۔کسی سوچ میں پڑ گیا۔سائمہ نے چائے کا دوسرا کپ بنا کر دیا۔آہستہ آہستہ پیتا رہا۔کہیں دُور دیکھتا رہا۔سائمہ بھی کچھ نہ بولی اُس کے حال میں مگن رہنے دیا۔خاصی دیر بعد وہ واپس آیا۔لان میں کھلے خوبصورت رنگ برنگے گلاب کے پھولوں کو دیکھتا ہوا بولا۔

"تمھیں کچھ شوق ہے ان سے"

"ہے تو"

"اور کس کس کو ہے"

"کسی کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ان کاموں میں وقت ضائع کرتا رہے۔ ہر کوئی اپنی دلچسپیوں میں ایسا مگن ہے۔عمران ریحان لڑکے ہیں۔ان کے مشاغل ہی اور ہیں۔عمران پھر بھی ایک ماہ میں ایک آدھ بار اِس طرف دیکھ لیتا ہے۔ریحان تو اتنا بھی نہیں۔عائشہ لڑکی ہے۔لڑکی ہونے کے ناطے اُسے اِن باتوں سے دلچسپی ہونی چاہیئے۔لیکن وہ میوزک اور ڈانس میں ایسی مگن ہوتی ہے۔گھُومنے پھرنے میں اتنا وقت گزار دیتی ہے۔اور پھر گھر بھر کی لاڈلی، کوئی اُسے کچھ کہہ بھی تو نہیں سکتا۔میرا اپنا دل بھی نہیں چاہتا"

منصور ہنس پڑا۔آہستہ سے بولا

"تو ساری ذمہ داریاں تمھاری ہی ہیں"

"میرا اپنا شوق بھی تو ہے"

"اب اور کیا کہو گی"

"سچ کہہ رہی ہوں یہ سب کام اپنی دلچسپی سے ہی کرتی ہوں اور اب تو عادت سی پڑ گئی ہے۔ نہ کروں تو کچھ عجیب سا لگتا ہے"

"تم سی لڑکیاں بہت کم ہوتی ہوں گی"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی

"ہوتی ہی نہیں"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا

"میں اب چلوں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ نمائش کا کارڈ تمھیں بھیج دوں گا وقت نکال کر ضرور آنا۔ ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔ دل چاہے تو عائشہ کو بھی ساتھ لیتی آنا۔ دلچسپ رہے گا"

"ضرور" وہ مسکرا دی

"عائشہ کا وعدہ نہیں کرتی۔ اُسے اپنی مصروفیات سے فرصت ملی تو چلی آئے گی۔ لیکن تمھاری ایک دو تصویروں پر ضرور نظر رکھے گی۔ خواہ وہ اُسے خریدنی ہی پڑیں"

وہ ہنس دیا

"پھر تو اُسے ضرور ہی لے کر آنا۔ فائدہ رہے گا"

"چالاک" وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیسے فن کار ہو۔ نمائش سے پہلے تصویروں کے بکنے کی فکر ہو گئی"

"تمھیں کیوں بُرا لگا۔ تم پسند کرو تو ساری کی ساری تمھیں بھجوا دوں"۔
"شکریہ۔ میں اتنی توقعات نہیں رکھا کرتی"۔
وہ بُرا منہ بنا کر بولا
ایک دم سے فضول ہو"۔
گاڑی کی چابی ہاتھ میں ہلاتے ہوئے وہ لان سے باہر آگیا۔

تصویروں کی نمائش ہوئی اور خوب رہی۔ افتتاح والے دن خاصی بھیڑ تھی۔ منصور بہت سنجیدہ، پُروقار اپنی تصویروں کے درمیان گھوم رہا تھا۔ مہمانوں سے باتیں کر رہا تھا۔ شجاع اور صباحت بھی آئے تھے۔ منصور کی بہن ثروت خاص طور پر اتنی دُور سے پہنچی تھی۔ سائمہ کے ساتھ عائشہ بھی تھی اور اپنے ساتھ وہ فواد کو بھی گھسیٹ لائی تھی۔ خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ گھوم گھوم کر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ فواد کو ساتھ ساتھ لئے پھر رہی تھی۔ ایک بار منصور کے پاس سے گزری تو ٹھہر گئی شرارت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

" امید تو نہ تھی کہ آپ نے یہ سب کچھ کیا ہوگا"۔
" بعض باتیں بہت غیر متوقع ہوتی ہیں"۔
" اور اتنا اہتمام بھی کریں گے۔ اِس کا اندازہ بھی نہ تھا"۔
" اب تو ہوگیا"۔
" کچھ زیادہ ہی"۔
" تصویریں پسند آئیں"۔
" ساری ہی اچھی ہیں۔ چند ایک تو بہت ہی پسند آئیں"۔

"مجھے خوشی ہوئی"

"ختم کب ہوگی نمائش"

"ایسی جلدی کیوں ہے"

"یوں ہی پوچھ رہی ہوں"

"ہفتہ بھر تو چلے گی"

وہ ہنسی۔ مڑ کر سائمہ کی طرف دیکھا۔ وہ کافی فاصلے پر کھڑی ایک تصویر غور سے دیکھ رہی تھی عائشہ چند لمحے دیکھتی رہی پھر آنکھ مارتے ہوئے بولی۔

"ایک ہفتے کے لئے دیدی کی مصروفیت کا سامان ہوگیا"

"کیا مطلب" منصور سمجھ کر بھی بنتا ہوا بولا

"دیدی کی مصروفیات کا کیا تعلق"

"بھئی۔ تمہاری دیدی کو مصوری سے خاص شغف ہے۔ ذرا دیکھئے تو یوں غور سے دیکھ رہی ہیں جیسے گھول کر پی ہی تو جائیں گی۔ کیوں"

فواد بھی ہلکے سے مسکرا دیا۔

"آپ کی دیدی میں بڑی خوبیاں ہیں"

"ہاں" وہ لمبا سانس لے کر بولی۔

"خوبیوں کا مجموعہ ہی تو ہیں۔ ساری ہی ان میں اکٹھی ہوگئیں"

"جلن ہو رہی ہے کیا"

"بہن ہے میری"

"جانتا ہوں۔ لیکن کچھ ایسا فرق ہے کہ لگتا نہیں"

وہ ابرو پر شکن لاتے ہوئے بولی۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"پھر کبھی سہی" وہ ہولے سے مسکرایا۔ موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں گی۔ اور آپ فواد صاحب؟"

وہ انھیں لئے دوسری طرف بڑھ گیا۔

سائرہ گھوم پھر کر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ منصور اُس کے پاس آکھڑا ہوا۔ اُس کی محویت کو دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ ہلکے رنگ کی ساری میں لپٹی لپٹائی وہ ایسی اچھی لگ رہی تھی۔ سادہ اور حسین۔

"ثمو۔ تم خود بھی ایک خوبصورت تصویر لگ رہی ہو؟"

سائرہ کے چہرے پر رنگ آگیا۔ ہلکی سی سرخی جھلک پڑی۔ منصور کی بات پر حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ ایک بار سر ذرا سا موڑ کر غور سے اُسے دیکھا، پھر نظریں جھکالیں۔

"یہ آرٹسٹ بول رہا ہے؟"

"کیا غلط کہہ رہا ہوں؟"

وہ مسکرادی

"میں جھٹلا سکتی ہوں بھلا۔ آپ جو فرما رہے ہیں درست ہی ہوگا؟"

"سنو سائرہ" وہ ذرا سا اُس کے قریب جھک آیا۔

"عائشہ کی فواد سے یہ بے تکلفی عادتاً ہے کیا؟"

"کیا مطلب"

"مجھے تو وہ سنجیدہ لگتی ہے؟"

سائمہ نے بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"نہیں"

وہ جھٹک کر لاپرواہی سے بولا

" میرا اندازہ تو یہی ہے"

" میں عائشہ سے بات کروں گی"

منصور ہنس پڑا۔ مڑ کر دیکھا۔ عائشہ اور فواد ایک کونے کی طرف کولڈ ڈرنک لے رہے تھے۔ ہنس ہنسا رہے تھے۔ فواد ہمیشہ کی مانند شاندار تھا۔ عائشہ حسبِ معمول انتہائی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ منصور چند لمحے انھیں دیکھتا رہا۔ پھر سائمہ کی طرف مڑ کر بولا۔

" تم اُس سے پوچھو گی۔ تمھیں تو وہ چٹکیوں میں اڑا دے گی۔ بڑی ہوشیار ہے۔ اور بہت پیاری بھی۔ اور کسی حد تک ضدی بھی"

" یہ تمھارا اندازہ ہے"

"ہاں" وہ مسکرا دیا

" اور میرے اندازے غلط نہیں ہوا کرتے"

" اتنا اعتماد ہے اپنے پر"

" بہت"

" خوشی ہوئی سُن کر۔ خود اعتمادی بڑی اچھی شے ہوتی ہے"

" کل آؤ گی"

" شاید"

"یہ بے یقینی کیوں"

وہ ذرا سا مسکرا دی

ہوسکتا ہے اس سے بھی کوئی ضروری کام آپڑے۔ کچھ ایسی مصروفیات کہ کوشش کے باوجود وقت نہ نکال پاؤں۔ تمھیں تو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟"

" وہ تو خیر بعد میں ہی ہوگا۔ پہلے میں تمھاری مصروفیات کے متعلق پوچھ سکتا ہوں۔ یوں ظاہر کرتی ہو۔ جیسے تمھارے بنا کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ سبھی لوگ تمھیں سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اپنے اس خول سے کب باہر آؤ گی۔ خود کو خول میں بند رکھنا کچھ اچھی بات تو نہیں "

" لڑ کیوں رہے ہو؟"

" پھر اور کیا کروں۔ میں تمھاری اس عادت سے بہت تنگ ہوں۔ پتہ نہیں تمھیں کچھ باتیں پس پردہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے "

سائمہ نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا اور مسکرا دی

" آرٹسٹ صاحب۔ اس وقت آپ کو بحث میں نہ اُلجھنا چاہیئے۔ اپنے اور مہمانوں کی طرف متوجہ ہوں۔ اپنی تصویروں کا تعارف کروائیں۔ اور آپ کی اپنی شخصیت بھی ایسی ہے کہ لوگ آپ سے تعارف حاصل کر کے بھی خوشی محسوس کریں "

وہ مسخرے پن سے ہنس پڑا

" واقعی تم ایسا سوچتی ہو "

" سو فی صد سچ کہہ رہی ہوں "

" میں تو خوش ہو گیا "

وہ لمبا سانس لے کر بولی

"خبر نہیں لوگ کیسے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو لیتے ہیں۔"

"سائمہ" وہ سنجیدہ نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولا

"مجھے تمھاری یہ فلسفیوں والی عادت۔ یہ یاسیت ذرا جو لپسند ہو۔ اچھی بھلی باتیں کرتے کرتے کیا ہو جاتا ہے۔"

"تمھیں میری اکثر باتیں ناپسند ہیں۔ پھر بات کیوں کرتے ہو۔"

"تو بات کرنا بند کر دوں۔"

"اچھا اب جاؤ۔ زیادہ بور نہ کرو۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو"

"ہاں بھئی۔ دکھائی کم دیتا ہے کیا"

"تمورانی۔ دل رکھنے کو ہی کچھ باتیں نہیں کہنی چاہئیں۔"

سائمہ ہنس پڑی

"وہ مجھے نہیں آتا"

"بُری بات"

"ہے تو۔ لیکن مجبوری ہے میں کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ اُس امریکن جوڑے کی طرف دیکھتے ہو۔ تمھاری اُس دھندلی تصویر پر کیسی بحث کر رہے ہیں۔ لگتا ہے ضرور ہی خرید لیں گے۔"

"تم نہیں خریدو گی کیا"

سائمہ نے غور سے دیکھا وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ شانے جھٹکتی ہوئی

لاپرواہی سے بولی

"مجھے کیا ضرورت۔ ایک آدھ تو تم تحفے میں دے ہی دو گے"

"منہ دھو رکھو"

"کئی بار دھوتی ہوں دن میں"

"پھر بھی سانولی ہی رہیں"

سائمہ ایک دم سے چپ سی ہو گئی۔

"تمھیں گورا رنگ اچھا لگتا ہے"

"پگلی" وہ ہنس پڑا

"رنگوں میں کیا رکھا ہے بھلا۔ مجھے اتنا سطحی سمجھتی ہو"

وہ اُسے یونہی سر جھکائے کھڑا چھوڑ کر مسکراتا ہوا دوسری طرف بڑھ گیا۔

ابّو کاروبار کے سلسلے میں چند ماہ کے لئے بیرونی ممالک کے دورے پر چلے گئے۔ امّی کی طبیعت اُن دنوں خراب تھی۔ وہ اکثر بستر پر دراز رہتیں۔ دادی تھیں تو اُنھیں پچھلی روایات اور گلے شکووں سے ہی فرصت نہ تھی۔ عمران کسی کورس کی تیاری کر رہا تھا۔ آفس سے واپس آکر پڑھائی میں ایسا مگن ہوتا کہ کسی بات سے سروکار ہی نہ رہ گیا تھا۔ ریحان اور سوزین کو اپنے گھومنے پھرنے سے ہی فرصت نہ تھی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پروگرام رہتا۔ مہمان آئے رہتے۔ گھر میں ہنگامہ سا تھا اور ایسے میں نظام کچھ درہم برہم سا ہو گیا تھا۔ کسی پر روک ٹوک نہ رہی تھی۔ اور اس آزادی کا سب سے زیادہ فائدہ عائشہ نے اُٹھایا۔ کالج سے دیر سے واپس آتی اور واپس آکر بھی شاذ ہی کوئی دن ایسا ہوتا جب وہ کہیں گئی نہ ہوتی یا اس کا کوئی پروگرام نہ ہوتا۔ سائمہ کی اُس سے کتنی ہی بار جھڑپ بھی ہوئی لیکن وہ کچھ ایسی ضدی ہو گئی تھی کہ اکثر ہنس کر ٹال جاتی یا ڈھٹائی سے کھڑی باتیں بناتی رہتی اور ان چند لمحوں میں سائمہ کو اتنا غصّہ آتا۔ ایسا بُرا محسوس ہوتا۔ عائشہ جس راہ پر چل نکلی تھی وہ اسے بالکل پسند نہ تھی۔ امّی سے بھی دو ایک بار بات ہوئی۔

فواد کا ذکر بھی آیا۔ وہ سن کر پریشان ہوئیں۔ پھر چپ ہو گئیں۔ کسی سوچ میں پڑ گئیں۔

"عائشہ کیوں گھومتی ہے اس کے ساتھ؟"

"آپ خود پوچھ لیں"

"تمھارا کیا خیال ہے؟"

سائمہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بنا سر اُٹھائے مدھم لہجہ میں بولی

"میرا تو خیال ہے کہ فواد اس سے بیاہ کرنا چاہتا ہے"

"اور عائشہ"

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں"

"عائشہ بہت بھولی ہے۔ اُس کی باتوں میں آگئی ہوگی"

"جو کچھ بھی ہے امی۔ میں نے آپ کو بتا دیا اور عائشہ اتنی بھولی بھی نہیں سمجھدار ہے۔ اپنے طور طریقوں کو تو سمجھتی ہے۔ آپ کی نظروں میں وہ چھوٹی ہی رہے۔ لیکن لوگ تو ایسا نہیں سوچتے"

"تم نے اُسے سمجھایا ہوتا"

"بہت خود سر ہے"

"سائمہ۔ ایک بات تو تمھیں پتہ ہی ہے۔ اپنے خاندان کی روایات کا بھی اندازہ ہے۔ ہماری برادری میں آج تک لڑکیوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ کبھی سوچا بھی نہیں۔ پہلے ہی ریحان کی وجہ سے خاصی سبکی ہوئی ہے۔ لیکن وہ پھر بھی مرد ہے۔ اُسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ مرد ایسی حرکتیں کرتے ہی آئے ہیں۔ تمھارے ابو کو بچوں سے کتنا ہی پیار سہی۔ لیکن ریحان کو اجازت دیتے ہوئے وہ کتنا پریشان تھے۔ اس کا اندازہ

صرف مجھے ہے۔ اور اب یہ نیا مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے۔ میں عائشہ سے براہِ راست بات کرنا نہیں چاہتی، لیکن تم اُسے سمجھا سکتی ہو۔"

"امی آپ ماں ہو کر اُس سے بات کرنا نہیں چاہتیں۔"

"سائمہ" وہ لمبا سانس لے کر بولیں۔

"عائشہ بہت ضدی ہے۔ لاڈ پیار سے اور بگڑ گئی ہے۔ تم اُس سے بات کرو میں دراصل اس کا رویہ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

سائمہ چُپ رہی، کچھ جواب نہ دیا۔ نظریں جھکائے بیٹھی دوپٹے کا پلّو مروڑتی رہی، کچھ سوچتی رہی۔

"میری طرف سے عائشہ کو کہہ دینا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات سوچ رہی ہے تو وہ اُس کی غلطی ہے۔ وہ ناممکنات میں سے ہے۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور اگر وہ نہ مانے تو؟"

امی اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ چند لمحے سائمہ کی طرف غور سے دیکھتی رہیں۔ پھر ایک عزم کے ساتھ کہنے لگیں۔

"میں فوراً اس کا بیاہ کہیں اور کر دوں گی۔"

"لیکن امی۔ اگر آپ مان جائیں تو؟"

وہ پریشان ہو کر اُسے دیکھتی رہیں۔

"یہ تو کہہ رہی ہے سائمہ"

"امی آپ خود سوچیں وہ جوان ہے اپنا بُرا بھلا سوچ سکتی ہے۔ حق ہے اُسے۔"

اُن کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ جلدی جلدی سانس لینے لگیں۔

"میری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا"

وہ تکیہ میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔ سائمہ کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی۔ اُن کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر بنا کسی قسم کی آواز پیدا کئے اٹھ کر چلی آئی۔

شام گہری ہو رہی تھی اور عائشہ ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ سائمہ نے اُس کے کمرے میں جھانکا پھر اداس چہرہ لئے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ کافی دیر بعد گاڑی رُکنے کی آواز سنائی دی۔ سائمہ نے ذرا سا پردہ کھسکا کر دیکھا عائشہ تھی۔ وہ ہنستی ہوئی اندر آئی ـــ سر ذرا سا اندر کر کے ڈرائنگ روم میں جھانکا۔

" ہیلو۔ کیا ہو رہا ہے دیدی "

" بڑی عمر ہے ...... تمہیں ہی یاد کر رہی تھی "

" جیو ـ ایسی کیا ضرورت پیش آگئی "

عائشہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اندر آگئی۔ بہت خوش باش لگ رہی تھی۔ سائمہ ہی کے پاس آ بیٹھی۔ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

" دیر سے آنے پر اعتراض ہوگا "

" ہو بڑی سمجھدار "

" دیدی میں ہر کسی کے ساتھ تو نہیں گھوم رہی کہ آپ اعتراض کریں۔ ایک فواد ہی تو ہے اور اس سے بھی دوستی بہت سنجیدہ حد تک ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات نہیں۔ نہ ہی وہ کوئی ایسی چھچھوری بات ہی کرتا ہے۔ بڑا سنجیدہ، مُدبّر انسان ہے"

" سب درست۔ مجھے بھی اس میں کوئی قابلِ ذکر بُرائی نظر نہیں آتی۔ لیکن اس سے تم بیاہ نہیں کر سکتیں "

عائشہ کی پیشانی پر شکن آگئی۔

"وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"اس لئے کہ وہ تمھاری ذات، تمھاری برادری کا نہیں اور یہ بزرگوں کے خیال میں کچھ ایسی اچھی بات نہیں۔"

وہ لاپرواہی سے بولی

"یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں دیدی"

"مانتی ہوں، لیکن ان لوگوں کی خوشیوں کا بھی تو خیال کرنا چاہئے جنھوں نے تمھیں پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے۔ اُن کا بھی کوئی حق ہے۔"

عائشہ ہنس دی، کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔

"ضروری نہیں کہ وہ اپنا یہ حق اسی معاملے میں استعمال کریں۔"

"پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں۔"

"دیدی۔" وہ فیصلہ کُن انداز میں بولی۔

"میں دوسروں کی خوشیوں کے لئے اپنی زندگی کی بھینٹ نہیں دے سکتی۔"

"تم کیا چاہتی ہو۔"

"کچھ نہیں۔ میں اور فواد بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔ امّی اور ابّو خوشی سے اجازت دیدیں تو اُن کی مہربانی ہے، ورنہ ــ"

"کوئی اور طریقہ بھی ہے۔"

وہ پھر ہنس دی

"بڑی بھولی ہو دیدی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"نہ ہی سمجھو تو اچھا ہے۔ بیاہ بہر حال مجھے فواد ہی سے کرنا ہے۔"

"یہ تمھارا فیصلہ ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی

"فیصلہ ہی سمجھ لو۔ عائشہ اتنی ضدی ضرور ہے کہ اپنی خوشی کے لئے لڑ سکے۔ اپنا حق منوا سکے۔ خواہ مخواہ خود ساختہ کی روایات کو توڑ ڈالے۔ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں۔ میرے نزدیک ان کی کوئی وقعت نہیں۔"

"بہت خود غرض ہو۔"

"شاید"

"امّی تمھارے لئے پریشان ہیں۔"

"بلا ضرورت"

میں اُنھیں بتا دوں۔"

"بالکل۔ چھپانے کی کون سی بات ہے۔"

"مجھے افسوس ہوا عائشہ۔"

"مجھے معلوم تھا دیدی۔ دراصل تمھارا ذہن بھی صدیوں پُرانے نظریات کا قائل ہے۔ اس میں تمھارا بھی قصور نہیں۔ بزرگوں کے سے انداز میں ہی سوچتی ہو۔"

"تمھارا صحیح پروگرام ہے کیا۔"

"بتا چکی ہوں۔"

"بغیر اجازت کے بیاہ کر لوگی۔"

" اگر ضرورت پڑی تو "

" فواد نے تمھیں بگاڑ دیا ہے "

عائشہ ہاتھ اٹھا کر بولی

" اُسے کچھ نہ کہنا دیدی"

" اتنا خیال ہے اُس کا"

" ہاں" وہ مسکراتے ہوئے سُرخ ہو گئی۔ انگلی میں پڑی خوبصورت انگوٹھی کو گھماتے ہوئے کہنے لگی۔

ہم نے منگنی کرلی ہے "

سائمہ نے حیرت سے منہ کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ پریشان ہوئی پھر ہنس دی۔

" اپنے آپ"

" اور کیا" اُس نے انگوٹھی والا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

" یہ دیکھتی ہو "

" تم تو پگلی ہو عائشہ"

وہ مسکراتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

" یہ ایسی رومنٹیک سی بات ہے۔ ہے نا۔ تمھیں خبر نہیں کیوں پسند نہیں آئی "

مجھے تمھاری دماغی حالت پر شک ہو رہا ہے۔ اِسی رومانس کے شوق میں آج تو یہاں تک پہنچی ہو "

" تم کیا جانو ممو دیدی۔ یہ کتنی خوبصورت بات ہوتی ہے "

وہ پرس کو جھلاتے ہوئے کمرے سے باہر چل دی۔ کمرے میں سائمہ حیران پریشان

بیٹھی ہی رہ گئی۔ کچھ سمجھ نہ آرہی تھی اب کیا کرے عائشہ اِس حد تک چلی جائے گی۔ اِس بات کا اُسے گمان تک نہ تھا۔ امی سُنیں تو کیا کہیں اور اُنھیں کتنا صدمہ ہو گا۔ کہیں بیٹیاں بھی ایسی بات کرتی ہیں۔ لڑکیاں خواہ کتنی ہی ماڈرن کیوں نہ ہو جائیں۔ اِس معاملے میں بے بس ہی رہیں گی۔ عائشہ کے متعلق سوچتے سوچتے اس کا ذہن منصور کی طرف پلٹ گیا لیکن کسی اور زاویے سے سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ وابستگی ہے ضرور، لیکن ایسا بھی کیا۔ اُس کے بغیر بھی زندہ رہنے کا تصوّر کیا جا سکتا تھا۔ وہ چند روز نہ بھی ملے بات بھی نہ ہو سکے تو کچھ ایسا محسوس نہ ہوتا تھا۔ شاید وہ عائشہ کے سے انداز میں کبھی بھی نہ سوچ سکے۔ اُس کی ازلی بزدلی ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے گی۔ گھر والوں کے متعلق وہ نازک احساسات ہمیشہ رہیں گے۔ اُنھیں دُکھ دینے کا خیال کانٹا بن کر چُبھتا رہے گا۔

بہت دیر تک، وہیں بیٹھی وہ اداس پریشان سوچتی رہی۔ اُن دنوں کے متعلق جب زندگی اتنی پُرسکون تھی۔ ایسی کوئی پریشانی نہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق سوچ کر ہی دل خوش ہو جایا کرتا تھا۔ اور اب تب میں کتنا فرق ہو گیا تھا۔ پُرانی جگہیں چھوڑ کر لوگوں کے ذہن بھی بدل گئے تھے۔ ہر کوئی کسی اور انداز میں سوچ رہا تھا۔ بہت اونچا اُڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنی بساط سے بہت بڑھ کر۔ اور اس اونچا اُڑنے کی کوشش میں زخمی ہونے کا خیال تک نہ تھا۔ شکست کا احساس بھی بھول گیا تھا۔ کسی کو کسی سے سروکار نہ رہا تھا۔ کسی کے دُکھ خوشیوں کا خیال نہ تھا۔ دلوں ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھتے تو بھی افسوس نہ ہوتا۔ ضمیر کا کانٹا نہ چُبھتا۔

سائمہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور پریشان ہو رہی تھی۔ اُس رات وہ ٹھیک سے

سو نہ پائی۔ بار بار چونک کر اُٹھ جاتی۔ خواب میں عائشہ کو دلہن بنے مسکراتے ہوئے دیکھ کر گھنٹوں بھر وہ بستر میں چت لیٹی اُسی کے متعلق سوچتی رہی۔ پھر سب کچھ جھٹک کر سونے کی کوشش کی لیکن ذہن کے کھلے دریچے بند نہ ہو سکے۔

سائمہ نے دوسرے دن ساری بات امّی کو بتا دی۔ انھیں اپنی بیماری بھول گئی جوان بیٹی کی فکر سوار ہو گئی وہ بیٹی جو اُن کی لاڈلی تھی۔ بہت حسین تھی اور بہت ضدّی بچپن سے اب تک اُسے ڈانٹتے ہوئے اُنھیں ہمیشہ دُکھ ہوا۔ ڈانٹ کر سینہ سے لگا لینا پڑا۔ لیکن اب معاملہ نازک ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ عائشہ کے لئے کسی اچھے رشتہ کی کوشش کرنے لگیں۔ ہر ممکن طریقے سے اُسے فواد کے ساتھ گھومنے پھرنے سے روکا گیا۔ بہت سی پابندیاں عائد کی گئیں۔ فواد سے مل کر اُسے زور دیا گیا کہ وہ عائشہ کا خیال چھوڑ دے۔ ابّو کو جلد واپسی کا تار دیا گیا۔ اُنھیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آنے کو کہا گیا۔

عائشہ پر کچھ اثر ہوا۔ اُس کی سرگرمیوں میں کمی ضرور آگئی تھی، لیکن کہیں نہ کہیں موقع ڈھونڈھ کر وہ فواد سے ضرور مل لیتی۔ دونوں کیا کر رہے تھے۔ اس کا کسی کو کچھ اندازہ نہ تھا۔ عمران کے امتحان نزدیک تھے مصروفیت کی وجہ سے وہ اور پریشان ہو گیا۔ فکر و پریشانی سے امّی کی بیماری اور بھی بڑھ گئی۔

سائمہ اُداس اُداس گھوما کرتی۔ عائشہ کالج سے واپس آکر اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔ شروع میں پیار خوشامد سے امّی کو منانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑ گئیں۔ اس کے بعد عائشہ نے بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ بہت کم باہر نکلتی۔ اِن چند دنوں میں پیلی پڑ گئی تھی۔ سائمہ اُسے دیکھتی تو اتنا ترس آتا۔ افسوس

بھی ہوتا۔ کوئی دیانت داری سے اُس سے پوچھتا تو دل میں وہ بھی ان فرسودہ روایات کے کتنا خلاف تھی۔ کیسا کیسا اُس کا دل چاہتا۔ ان زنجیروں کو توڑ پھینکے لیکن وہ ہمت، وہ جرأت اُس میں نہ تھی جو کم لوگوں کا خاصا ہوتی ہے۔

ابّو کے آنے میں چند ہی روز باقی تھے کہ وہ طوفان آ ہی گیا جس سے سب خوفزدہ تھے۔ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے بھی وہ حقیقتاً اُسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ عائشہ نے چُپ چُپاتے فواد سے بیاہ کر لیا اور یہ سب کچھ کر کے بھی وہ اتنی پُرسکون اور مطمئن سی تھی۔ دو ایک روز تو کسی کو بتایا بھی نہیں۔ ایک دن شام کو فواد اُسے لینے کے لئے آ گیا۔ امّی نے روکا۔ عائشہ کو کسی طور جانے کی اجازت نہ دی۔ وہ باہر گاڑی میں بیٹھ کر ہارن بجا رہا تھا اور اندر تکرار ہو رہی تھی۔ عائشہ سب کو بڑبڑاتا ہوا چھوڑ زبردستی چلی گئی۔ واپس آئی تو گھر کی فضا عجیب سی ہو رہی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اُسے پتہ چل گیا۔ امی اپنے کمرے میں تھیں۔ سائرہ چہرے پر پریشانی کی چھاپ لئے ٹہل رہی تھی۔ عائشہ بنا کچھ کہے اندر جانے کو بڑھی تو سائرہ نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک لیا۔ اُسے لئے ہی ملئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ عائشہ پُرسکون تھی۔ لیکن خاصی سنجیدہ۔

"بی بی۔ یہ تم نے کیا حرکتیں شروع کر دی ہیں"

"کیا ہوا"

"امّی کو تمھارے رویّہ سے بہت افسوس ہوا"

"مجھے معلوم ہے"

"پھر بھی ایسی حرکتیں کرتی ہو"

"اپنے بس میں نہیں"

"آج اگر تم نہ بھی جاتیں تو کیا ہوتا۔ فواد تمھیں گھر والوں سے بڑھکر عزیز تو نہیں۔ اور وہ کتنی ڈھٹائی سے ہارن دئے جا رہا تھا"

عائشہ ہنسنے لگی۔ آہستہ سے بولی

"پھر کیا ہوا دیدی"

"اُسے کیا حق ایسی حرکت کرنے کا"

"اور اگر ہو تو"

"فی الحال نہیں"

"آپ کو کیا پتہ دیدی"

سائمہ حیران ہوئی اُس کے انداز میں کچھ ایسی ہی بات تھی۔ لہجے میں کچھ ایسی خود اعتمادی تھی کہ وہ سر اُٹھائے اُسے دیکھتی رہی۔

"صاف بات کرو عائشہ۔ کیا پہلیاں بُجھا رہی ہو"

"اُسے تو یہ حق بھی ہے کہ مجھے زبردستی یہاں سے لے جائے۔ آپ لوگوں کی مرضی کے خلاف"

"کیا مطلب"

عائشہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دریچہ کی طرف آگئی۔ پردہ کِھسکا کر ایک ہاتھ سے پرے کیا۔ خنک ہوا اندر آگئی۔ اُس کے بال اُڑ اُڑ کر پریشان ہو رہے تھے۔ اُس نے اُنھیں برابر نہیں کیا۔ یونہی کھڑی رہی پلکیں جھپکاتے ہوئے کچھ سوچتی رہی۔ تذبذب میں معلوم ہوتی تھی۔ کتنی ہی دیر چُپ چاپ کھڑی رہی۔ پھر آہستہ سے سر موڑ کر سائمہ کی طرف دیکھا۔ ایک بار دریچہ کی دہلیز پکڑ کر آگے کو جُھک گئی۔

"دیدی۔ ہم نے بیاہ کر لیا ہے۔"

سائمہ ایک دم سے چونکی۔ کئی بار اس ایک بات کے متعلق اُس نے سوچا تھا، لیکن اب سن کر اتنی حیرت ہوئی یوں محسوس ہوا ساری ہی دیواریں اُس پر آگری ہوں۔ اتنی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ بمشکل چلتی ہوئی وہ عائشہ کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ آہستہ سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"سچ کہہ رہی ہو۔"

"میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"سب یہی کہیں گے۔"

"ابّو کا انتظار تو کیا ہوتا۔"

"مجھے سب کا اندازہ ہے دیدی۔ وہ کبھی رضامند نہ ہوتے۔ میں نے جلدبازی نہیں کی۔ بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"عشو رانی" سائمہ نے لمبا سانس لیا۔

"تمھارا بچپنا آخر رنگ لایا"

"دیدی مجھے معاف کر دو۔"

عائشہ کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ مڑ کر دیکھے بنا وہ آہستہ آہستہ باہر چلی گئی ۔۔۔ اُس رات سائمہ سارا وقت جاگتی رہی۔ اس خبر کے ردِ عمل کا اندازہ کرتی رہی۔ پریشان ہو کر سوچتی رہی ۔ ابّو واپس آئیں گے تو انھیں کیا محسوس ہوگا۔ کتنی توہین، بے عزتی کا احساس نہ ہوگا۔ نہ جانے وہ کیا کریں۔ عائشہ کو کتنی بڑی سزا دیں۔ کیا سلوک روا رکھیں۔

اور پھر بات سبھی کو پتہ چل گئی۔ سائمہ نے امّی کو پہلے سے ہی تیار کر لیا تھا۔ پھر بھی انھیں ایسا صدمہ ہوا کہ گم سم رہ گئیں۔ دادی کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ عمران بمشکل امتحان دے سکا۔ گھر میں اگر کسی پر اثر نہیں ہوا تو وہ ریحان اور سوزین تھے۔ حیران ضرور ہوئے لیکن کسی حد تک خوشی بھی ہوئی۔ عائشہ کی بہادری کی تعریف بھی کی۔

"ریحان تمھارے گھر میں عائشہ ہی مجھے پسند ہے۔ کم از کم اُس میں اپنا حق مانگنے کی جرأت تو ہے نا۔"

"لیکن میری جان گھر والوں کو کتنا دُکھ ہوا ہے۔ اس کا اندازہ تو کرو۔"

"وہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ تمھارا مشرق اس کی باتیں ہی اور ہیں۔ کوئی اور جگہ ہوتی تو لوگ عائشہ کو وش کرتے۔ مبارک باد دیتے۔ پارٹی کا انتظام ہوتا اور ایک تم ہو کہ منہ بنائے اپنے اپنے کونوں میں پڑے ہو۔ جیسے لڑکی نے کوئی گناہ کر لیا ہو۔ شادی تو بہت مقدس فریضہ ہے۔"

ریحان ہنس پڑا

سوزین تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن وہ لوگ بھی ٹھیک ہی ہیں۔ ہمارے اِدھر ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اسے بہت بُری بات سمجھا جاتا ہے۔"

"لیکن اُس کا میاں اُسے لے کیوں نہیں جاتا۔"

"پگلی" وہ اُسے پیار سے چپت لگاتا ہوا بولا۔

تم نہیں سمجھو گی۔"

ابّو اُس شام کو آنے والے تھے۔ امّی صبح ہی سے بیقرار تھیں۔ عائشہ سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔ ایک دو بار ملازم سے چائے بنوا کر پی۔

صوفہ میں نیم دراز رسالے کتابیں پڑھتی رہی۔ شام کو عمران اور سائمہ گاڑی لے کر ابو کو لینے ایرپورٹ چلے گئے۔ جہاز آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ چپ تھے۔ دونوں ایک ہی بات کے متعلق سوچ رہے تھے۔ ابو کو یہ خبر کیوں کر دی جائے۔ پریشانی بھول کر چہروں کو خوشگوار کس طرح رکھا جائے۔ جہاز آ گیا۔ عمران نے سائمہ کا ہاتھ ہولے سے دبایا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سائمہ کا رنگ پیلا تھا وہ زبردستی مسکرا دی۔

"فی الحال کچھ نہ کہنا۔"

"ٹھیک ہے۔"

ابو اُترے۔ دونوں سے ملے۔ کچھ پریشان نظر آ رہے تھے۔ فوراً ہی پوچھنے لگے۔

"زرینہ کی طبیعت تو اچھی ہے۔"

"جی"

"تار کیوں دیا تھا۔ مجھے اتنا کام چھوڑ کر آنا پڑا۔"

عمران نے بات کو سنبھالا دیا۔

"دراصل امی اُن دنوں پریشان تھیں۔ کچھ طبیعت بھی اچھی نہ تھی۔"

"عائشہ کیسی ہے۔"

سائمہ کے چہرے پر زردی آ گئی۔ منہ پھیر کر اُن کی نظروں سے بچنے کی کوشش کی۔ اُس کی بجائے عمران نے جواب دیا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ آپ تو اچھے رہے۔"

"بس چلتا ہی ہے۔ شروع میں کچھ طبیعت اچھی نہ تھی۔ پھر عادی ہو ہی گیا۔"
گھر واپس پہنچنے تک ابّو کو اصل بات کا پتہ چل چکا تھا۔ حقیقت جان کر وہ سکتے میں آگئے۔ عائشہ سے بات ہوئی تو وہ چُپ رہی اور اس کی خاموشی کو رضامندی اور ڈھٹائی جان کر ان کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ بہت سُنائیں۔ اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے نوکروں کا بھی خیال نہ کیا۔ بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیتے۔ دن بدمزگی میں گزر گیا۔ گھر میں ہنگامہ سا تھا۔ ہر کوئی پریشان تھا۔ امّی رو رو کر بُرا حال کر رہی تھیں۔ ابّو علیحدہ کمرے میں بند تھے۔

پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔ کسی نوکر نے بد دیانتی کا ثبوت دیا کہ بات ملنے ملانے والوں تک پہنچ گئی۔ دوسرے ہی دن شام کو کچھ لوگ چلے آئے۔ خبر کی تصدیق کے لئے۔ کچھ کا مدعا افسوس کرنا تھا اور کچھ کا تماشا دیکھنا۔

"سُنا ہے عائشہ نے بیاہ کر لیا۔"

ہر کوئی یہی پوچھتا۔ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے سوال کرتا۔ ابّو لوگوں کے سوالوں سے پریشان ہو گئے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ اُنھیں تو خبر کی تردید کر کے اپنے طور پر مطمئن کر دیا لیکن خود کسی سوچ میں کھو گئے۔ آخر وہ کب تک لوگوں کی زبانوں پر ہاتھ رکھیں گے۔ بات ایک بار ہو جائے تو پھر لاکھ جھٹلانے پر بھی واپس نہیں آتی۔

دو دن وہ اپنے کمرے میں بند رہے۔ برائے نام ہی کھایا پیا۔ اُسی مسئلہ کا حل سوچتے رہے۔ پھر سب کو اپنے کمرے میں بُلایا۔ عمران اور ریحان بھی آئے سائمہ کی موجودگی بھی ضروری تھی۔ امّی آئیں ضرور لیکن کسی قسم کی کوئی رائے نہ دی۔

گم سُم بیٹھی رہیں۔ ابّو نے اپنا فیصلہ سب کو سنا دیا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، مزید رُسوائی سے بہتر تھا کہ وہ ایک استقبالیہ دے کر عائشہ کو رخصت کر دیں، لوگوں میں بات بھی رہ جائے گی کہ انھوں نے سب کچھ اپنی مرضی سے کیا اور یوں عائشہ کا مستقبل بھی تباہ ہونے سے بچ جائے گا۔ یہ فیصلہ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ دو راتوں کی شب بیداری کا نتیجہ۔ بچّے جب خود سر ہو جائیں تو بزرگوں کو ہی جھکنا پڑتا ہے۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ ابّو نے عمران سے کہا کہ وہ فواد سے مل کر بات طے کرے، تاکہ کوئی مناسب تاریخ مقرر کی جا سکے۔ وہ خود اس سے کسی قسم کی بات کرنا نہیں چاہتے تھے۔

سائمہ کچھ دنوں سے چھٹی پر تھی۔ کچھ پریشانی اور کچھ طبیعت کی ناسازی جانے کو دل ہی نہ چاہا۔ یونیورسٹی گئی تو بھی ڈرتی ڈرتی۔ کوئی کچھ کہہ نہ دے۔ کچھ پوچھ نہ لے۔ وہ بھلا کسی کو کیا جواب دیتی پھرے گی۔ دوپہر تک سکون سے وقت گزر گیا۔ وہ کلاس لیتی رہی۔ لکچر تیار کرتی رہی۔ ذرا سستانے کے لئے بیٹھی گرم چائے کی ایک پیالی پی ہی رہی تھی کہ اُسی وقت بلاوا آ گیا۔ وہ شجاع کا چپراسی تھا۔ سائمہ کا دل دھڑک اُٹھا۔ چائے پیتے ہوئے خاصی دیر لگا دی۔ پھر وہاں گئی تو شجاع اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ کتنی ہی دیر گپ شپ ہوئی، وہ اُٹھنے کو ہوئی تو اُس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"سائمہ بی بی، یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟"

"جی"

وہ ایک دم سے چونکی، چہرے میں کھنڈی زردی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔ خواہ مخواہ مسکرانے کی کوشش کی۔ انھوں نے پھر کہا۔

"عائشہ دراصل بہت بھولی تھی۔"

اُسے شجاع سے جھوٹ بولنا اچھا معلوم نہ ہوا۔ وہ اتنی شفقت اور پیار سے پوچھ رہا تھا۔ وہ چُپ رہی۔ ناخنوں کو دیکھتی رہی، کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"دراصل عائشہ وہاں بیاہ کرنا چاہتی ہے۔"

"کیا مطلب۔ بیاہ نہیں ہوا؟"

"جی"

"نہیں سائمہ۔ لوگ تو کچھ اور کہتے ہیں۔"

"شجاع بھائی" وہ زبردستی ہنس پڑی۔

"میں جو کہہ رہی ہوں۔"

"اچھا" وہ کسی سوچ میں پڑ گئے۔

"بہتر ہے اگر یہی سچ ہو۔ تو اب کیا پروگرام ہے۔"

"ابّو کی مرضی پر ہے۔"

"کردیں بیاہ۔ خواہ مخواہ اتنی اچھی لڑکی کے نام پر حرف آیا۔"

سائمہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں ابّو بھی یہی سوچ رہے ہیں۔"

سائمہ نے چہرے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔ آہستہ آہستہ قدموں سے

چلتی ہوئی باہر آگئی اپنے کمرے میں آکر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ایک دم سے پھر چاروں طرف سے نظریں اُٹھنے کا احساس ہوا۔ اور یہ نظریں جیسے دل کے پار ہوئی جاتی ہوں۔ اِن نظروں کا احساس کتنا ظالم تھا۔ جلدی جلدی کام ختم کرکے وہ وقت سے پہلے ہی گھر بھاگ گئی۔

اُسی روز شام کو کچھ ضروری چیزیں خریدنے کے لئے بازار چلی گئی۔ ابّو کے فیصلہ سے کچھ پریشانی بھی کم ہوگئی تھی۔ کچھ خود سے چہرے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔ ہلکے گلابی سوٹ کے ساتھ کارڈیگن پہنا اور نوکر کو ساتھ لے کر چل دی۔ ایک بڑے سٹور کے باہر اُس نے منصور کی گاڑی کو دیکھا۔ اندر جاتے جاتے وہ باہر مڑنے کو ہوئی۔ سیڑھیاں اُتر رہی تھی کہ وہ لپک کر پیچھے چلا آیا۔

"ہلو سائمہ۔ کیسی ہو؟"

وہ عجلت سے بولی

"میں بہت جلدی میں ہوں منصور۔ پھر بات ہوگی؟"

وہ اُس کے راستہ میں آکھڑا ہوا۔ غور سے دیکھتا ہوا بولا

"ڈرتی ہو مجھ سے"

"مجھے کیا ضرورت"

"پھر چلو کہیں بیٹھیں۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں؟"

"یہیں کرلو؟"

"اتنے لوگ ہیں؟"

"میرا دل نہیں کہیں جانے کو؟"

"چلو آؤ اندر"

وہ اُس کے آگے آگے اندر چل پڑی۔ ایک کونے میں جا کر رُکتے ہوئے بولی۔

"فرمائیے"

"یہ عائشہ کا کیا چکّر ہے"

"کچھ ہے کیا"

"تمھیں نہیں معلوم"

وہ لاپرواہی ظاہر کرتی ہوئی بولی

"ہوتا تو تم سے پوچھتی ہی کیوں"

"اُڑا رہی ہو"

وہ چپ رہی۔ اُلجھن ہونے لگی تھی۔ منصور کھڑا اُسے گھور رہا تھا، پھر آہستہ سے ہنسا۔ لہجے میں ہلکا سا تمسخر تھا۔

"بیاہ کر لیا نا آخر اُس نے"

"تمھیں کس نے کہا"

"سائرہ۔ ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں، آدھے شہر کو پتہ ہے۔ تم لوگ خواہ کتنا ہی بننے کی کوشش کرو لوگ سب سمجھتے ہیں"

سائرہ کو ایک دم سے غصّہ آگیا

"پھر کیا ہوا، بیاہ ہی کیا ہے نا"

"بھئی میں کب کہہ رہا ہوں"

"بس پھر۔ اِس موضوع پر بات نہ کرو۔"

"اتنی حسّاس ہو گیا"

"تمھیں خوشی ہوئی نا"

"ہاں میرا اندازہ درست نکلا"

سائمہ نے بُرا سا مُنہ بنایا۔ بولی کچھ نہیں۔

"تمھاری طبیعت اچھی نہیں"

"ٹھیک ہے" بے رُخی سے بولی

"میری طبیعت کو کچھ نہیں ہوا"

"اپنا موڈ ٹھیک کرو"

"تمھیں کیا" اُس کے لہجہ میں بدتمیزی جھلک رہی تھی۔ منصور حیران ہو کر کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ثمو۔ جو کچھ ہوا مجھے افسوس ہے۔ اور تم سب کے ساتھ ہمدردی بھی۔ لیکن بعض باتیں بس ہو ہی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق کچھ کیا نہیں جا سکتا۔ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لوگوں کا کیا ذکر، وہ چند ماہ میں بھول بھال بھی جائیں گے۔ یہی دستور ہے۔"

"مجھے پروا نہیں"

اچھی بات ہے مجھے خوشی ہوئی۔"

"میں اب چلوں۔"

"ضرور ــ میں کسی روز یونیورسٹی آؤں گا۔"

"کیا ضرورت ہے؟"

"ہے کچھ ــ یونیورسٹی صرف تمھاری تو نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"فون کروں تمھیں؟"

"نہیں پلیز"

"وجہ"

"بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

وہ باہر چلنے والے رستے کو مڑ گئی۔

فواد سے بات چیت ہوئی اور رخصتی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ امی احتجاج کر کر کے تھک گئی تھیں۔ اس لئے اب خاموش ہو گئیں۔ عمران، ریحان، تیاریوں میں مصروف تھے۔ سائرہ عائشہ کے ساتھ مل کر اُس کی تھوڑی بہت چیزیں تیار کر رہی تھی۔ عائشہ خوش بھی تھی اور اُداس بھی۔ اکثر کام کرتے کرتے کہیں کھو سی جاتی۔ غائب ہو جاتی۔ سائرہ کو اُس پر اتنا ترس آتا۔ دل دُکھنے لگتا۔ پریشان ہو کر پوچھتی۔

"عائشہ اب تمھیں کیا غم ہے؟"

وہ لمبا سانس لے کر کہتی

"کچھ نہیں، دیدی۔ میں ٹھیک ہوں۔"

"اس طرح نہ رہا کرو۔ تمھاری صحت خراب ہو رہی ہے۔"

"میں خوش ہوں۔ کوئی غم نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے کہتی۔

"لیکن ابّو نے آج تک مجھ سے بات نہیں کی۔"
سائمہ تلخی سے ہنس پڑی
"پھر اور کیا کرتے۔"
"لوگ معاف بھی تو کر دیتے ہیں۔"
"اور کس طرح معاف کریں۔ تمھارے لئے ہر وہ بات کر رہے ہیں جو ایک اچھے باپ کا فرض اور عقل مندی ہے۔ تم سے جو ہو سکا وہ تم نے کر دیا۔ اپنی خوشیوں میں کسی کا خیال نہ کیا۔"
"دیدی" عائشہ نے چوٹ کھائے لہجے میں کہا
"اب تو ایسی بات نہ کرو۔"
"تمھاری مرضی۔ دل دُکھا اور اسی طرح اوروں کا دل بھی دُکھتا ہے۔ تم تو اتنی بہادر تھیں کہ کسی کی بات کی پروا نہ کرو۔ اور اب میری بات بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔"
"ثمو دیدی۔ مجھے لوگوں کی تو اب بھی کوئی پروا نہیں۔ لیکن تم تو ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ مجھے دُکھ ہوتا ہے۔"
سائمہ ہنس کر چُپ ہو رہی۔
پھر وہ دن آ ہی گیا۔ ابّو نے ہوٹل میں بندوبست کیا تھا۔ لوگ زیادہ نہ تھے۔ رشتہ دار اور برادری کے لوگ۔ کچھ نزدیکی ملنے والے۔ ایک رسم پوری کرنے کا خیال تھا۔ امّی بہت سنجیدہ ایک صوفے پر بیٹھی تھیں۔ چہرے پر دُکھ کی پرچھائیں لئے۔ ابّو بہت بُردبار انداز میں لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔ مسکرا مسکرا کر اُن سے

باتیں ہو رہی تھیں۔ سائمہ بڑی خوبصورت ساری میں ملبوس۔ میچ کرتے زیور اور میک اَپ کئے ساری ہی پریشانی کو مسکراہٹ میں چھپائے اِدھر سے اُدھر گھوم رہی تھی، خود کو بہت خوش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مہمان آ گئے تھے۔ منصور پر نظر پڑتے ہی اُس کے چہرے پر ہلکی سی زردی آ گئی۔ پتہ نہیں کیوں اُس کا سامنا کرتے ہوئے وہ گھبرا رہی تھی، یوں جیسے اُسے سب پتہ ہو۔ ہر بات کا صحیح اندازہ ہو۔ صباحت اور شجاع کو کوشش کرتے ہوئے وہ ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ منصور سے بالکل بات نہ ہوئی۔ وہ بھی خاموش سنجیدہ سا رہا۔

عائشہ کو دلہن بنا دیا گیا۔ گلابی خوبصورت غرارے میں ملبوس وہ دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہمیشہ سے بہت حسین لگ رہی تھی۔ فواد کی طرف سے آئے بے شمار زیورات میں چمک رہی تھی۔ خوش محسوس ہو رہی تھی۔ بارات آ گئی۔ سائمہ نے جھانک کر دیکھا ـــ فواد موٹر میں سے اُتر رہا تھا۔ ہمیشہ کی مانند سنجیدہ اور پُر وقار۔ متاثر کن شخصیت۔ سائمہ نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ ایک دم سے ہی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ پیچھے مُڑی اور ایک نسبتاً اندھیرے کونے میں جا کر آنکھیں خشک کریں۔

"فواد بُرا نہ سہی، لیکن اس سے اچھے لوگ بھی مل جاتے ہیں۔" اس نے اداسی سے سوچا اور چہرے پر خول چڑھائے دوسری طرف مُڑ گئی۔ کھانا کھاتے ہوئے منصور اپنی پلیٹ اُٹھائے اُس کی طرف چلا آیا۔ وہ برائے نام کھا رہی تھی۔ اب منصور کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ کچھ بولی نہیں۔ چند لمحے دونوں پاس پاس کھڑے رہے ـــ خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ منصور کبھی کبھی نظر اُٹھا کر اُس کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی اُداسی کو دیکھ لیتا۔

"سائمہ۔ ناراض ہو کچھ"

اُس نے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"نہیں تو۔ یہ خیال کیوں آیا؟"

"یونہی۔ تم نے بات بھی نہیں کی۔ مڑ کر نہیں دیکھا۔ بھئی اپنے مہمانوں کو وش تو کرتے ہیں اور پھر ایسی مبارک تقریب پر؟"

سائمہ چونکی۔ اس کے لہجے میں چھپے طنز کو محسوس کیا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی پیشانی پہ ہلکی سی شکن آ گئی۔ ذرا ہی دیر بعد وہ پھر مسکرانے لگی۔

"معاف کر دیجئے۔ شاید بھول ہو گئی ہو مجھ سے؟"

"بہت اچھی لگ رہی ہو آج"

"شکریہ"

وہ اور کچھ نہ بولی۔

"عائشہ خوش معلوم ہوتی ہے؟"

"اُسی کی خوشی تو ہے؟"

"عقل مند لڑکی ہے؟"

اُس نے ملامت آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

"بہت سج رہی ہے ان کپڑوں میں؟"

"ہر دلہن اچھی لگتی ہے؟"

"واقعی"

وہ شرارت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"وہ دلہنیں بھی جو خوبصورت نہ ہوں"

سائمہ نے اُس کی نظروں کو چہرے پر محسوس کیا۔ ذرا دیر کو سُرخ ہو گئی۔

"ہاں"

"بڑی اچھی بات ہے یہ تو" وہ مسکرایا۔

"لیکن فواد کا بھی جواب نہیں"

سائمہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی، پوچھنے لگی

"آپ کی مصروفیات کا کیا عالم ہے"

"چل رہی ہیں"

"کچھ اور نئی تصویریں بنائیں"

"نہیں۔ مُوڈ نہیں بنا"

وہ ہنس دی

"اور آپ ٹھہرے سچ مچ کے فن کار۔ بنا مُوڈ کے کچھ بھی کیسے ہو سکتا ہے"

"اس میں کیا شک ہے"

"میں نے کب اعتراض کیا"

"سائمہ۔ امّی آئی ہوئی ہیں"

"پھر۔ انھیں لے کر کیوں نہیں آئے"

وہ تنگ کرنے کو بولا

"تم نے کہا ہی نہیں"

"مجھے کیا خبر۔ آپ بتاتے تو میری کیا مجال تھی"

"چلو گلہ اُتر گیا"

وہ مسکرا دی، بولی کچھ نہیں منصور پلیٹ لئے لئے دوسری طرف چلا گیا۔ سائمہ پاس کھڑی دو عورتوں سے باتیں کرنے لگی۔

"سنا ہے عائشہ نے خود بیاہ کر لیا تھا"

سائمہ کو اس عورت کی بدتہذیبی پر غصہ آیا۔ ایک لمحہ کو پلکیں جھپکائیں۔ ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولی۔

"بیاہ تو اب ہو رہا ہے"

"پسند اُس کی تھی کیا"

سائمہ نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا

"جی ہاں۔ لڑکیوں کی مرضی پوچھنی تو چاہیئے۔ بزرگوں اور لڑکی کی رائے مل جائے تو اچھا ہی رہتا ہے"

"لیکن فواد اپنی برادری میں سے تو نہیں"

"انسان تو ہے آنٹی۔ اور یہ باتیں بہت پُرانی ہو گئیں"

سائمہ کے لہجے میں تیزی تھی۔ کٹتا ہوا انداز۔ مارے غصّہ اور اُلجھن کے بُرا حال تھا۔ ایک بات ظاہر ہے پھر خواہ مخواہ کے سوالوں کی کیا ضرورت۔ لیکن لوگوں کو کون سمجھائے۔ وہ وہاں سے گئی تو پیشانی پر پانی کی کتنی ہی بوندیں چمک رہی تھیں۔

عائشہ کو دُلہن بنے دیکھ کر سائمہ کو تلخ سی سوچیں آتی رہیں۔ پتہ نہیں کب تک اُن سب لوگوں کی ایسی ہی جلی کٹی باتیں سننا پڑیں گی۔ کب تک ہر بات کو سُن کر بھی چپ رہنا پڑے گا۔ یہ باتیں عائشہ کو بھی تنگ کریں گی۔ لیکن وہ اُس سی حساس نہیں،

سُن کر بھول جائے گی

رخصتی کے وقت سب عائشہ سے گلے ملے۔ امّی نے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کیا۔ آنکھوں میں سے ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ ابو اُداس ہو گئے۔ سائمہ تو رو پڑی۔ دُکھ اور پشیمانی کتنے ہی احساسات تلے دبی پڑی تھی۔

"عائشہ رانی میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ خدا تمھیں خوش رکھے"

"دیدی" وہ اُس کے ساتھ لپٹ گئی۔

"مجھے معاف کر دینا"

"پگلی ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے" سائمہ نے اُسے پیار سے تھپکی دی اور موٹر میں سوار کراتے ہوئے پرے ہٹ گئی۔

مہمان چلے گئے۔ چند ایک قریبی عزیز ہی باقی تھے وہ ساتھ ہی گھر چلے آئے۔ ابّو واپس جاتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے اور پھر نہیں نکلے۔ عورتیں میٹھی باتیں کرتی رہیں اپنے مخصوص انداز اور لب و لہجہ میں۔ کبھی کچھ ایسی تلخ بات بھی ہو جاتی کہ امّی کی پیشانی پر شکن آجاتی، کچھ بول نہ پاتیں۔ عائشہ کی اس حرکت کے بعد اب بولنے کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی۔ امی کی وہ ذات برادری کی اونچی باتیں دم توڑ گئی تھیں۔ روایات ختم ہو گئی تھیں وہ ایسی تھکی تھکائی لگ رہی تھیں جیسے کسی بات کی سکت ہی نہ رہ گئی ہو۔ سائمہ مہمانوں کے سونے کا انتظام کرتی رہی۔ کبھی درمیان میں رُک کر کسی کی دو چار باتیں بھی سن لیتی۔ کبھی اِدھر اُدھر جاتے ہوئے غلط قسم کا کوئی فقرہ کانوں سے آٹکراتا۔ اُس کے قدم خود بخود رُک جاتے۔ چند لمحوں کو پریشان کُن سوچیں چلی آتیں۔ سر جھٹک کر ہر خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی۔

"اب بھلا ان باتوں کا کیا فائدہ۔"

اُس نے لمبا سانس لے کر سوچا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ عائشہ کی سی لڑکیاں بہت کم پیدا ہوتی ہیں۔ اپنے حق کے لئے لڑنا کسی کسی کو آتا ہے۔ میں اس کی جگہ ہوتی تو افسانوی انداز میں رو رو کر ہمیشہ کے لئے فوا دسے رخصت ہو جاتی۔ اپنی مجبوری کا واسطہ دیتی کچھ قدم بھی اُٹھانے سے پہلے کتنی ہی بار پیچھے مڑ کر دیکھتی۔ دوسروں کی خوشیوں، دُکھوں کے متعلق سوچتی۔ اجازت مل بھی جاتی تو فیصلہ کرتے ہوئے کانپ کانپ جاتی۔

"سائمہ رانی تم بزدل ہو۔"

آواز جیسے اس کے اندر سے آرہی تھی۔ دل سے نکل رہی ہو۔ اُس نے کان بند کرنے کی کوشش کی۔ خود بخود ہی دھیان منصور کی طرف چلا گیا۔ اُس کا جی اُداس ہونے لگا۔ عجیب سی محرومی ہوئی۔

"میں بھی کیسی باتیں سوچتی ہوں۔ بھلا ان میں رکھا ہی کیا ہے۔"

وہ اُداسی سے مسکرا دی۔ چُپ چاپ اپنے کمرے میں چل دی۔ کھڑکی کی چوکھٹ کے ساتھ سر ٹکائے کتنی ہی دیر کھڑی رہی۔ عائشہ کے جانے کے بعد گھر کی ویرانی کا اندازہ کرتی رہی۔ لوگوں کی باتوں۔ تلخ ہنسی کے متعلق سوچتی رہی۔ پھر کرسی میں بیٹھ کر اونگھ گئی۔

عائشہ کا بیاہ ہوا۔ ابّو امّی نے رخصت کر دیا، یہی بہت اچھا تھا۔ اس کے بعد ابّو کے منہ سے کبھی اُس کا نام نہ نکلا۔ کبھی اس کے متعلق سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ امّی اُس کے بغیر اُداس ہوتیں۔ چُھپ چُھپا کر رو بھی لیتیں، لیکن ابّو کے خوف سے کبھی اُن کے سامنے نام نہ لیا۔ عائشہ بیاہ کر جو گئی تو دوبارہ اُس گھر میں نہ آئی۔ فواد اور وہ ہنی مون کے لئے باہر چلے گئے۔ ملک ملک گھوم کر سیر کرتے رہے۔ دو ماہ بعد واپس پلٹے تو عائشہ کو گھر میں کچھ رد و بدل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی چکّر میں، تقریباً روز ہی بازار جانا پڑتا۔ اُس روز وہ ایک سٹور میں سے نکل رہی تھی کہ سائمہ سے آمنا سامنا ہو گیا۔ لوگوں کی پروا کئے بغیر وہ اُس سے لپٹ گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"دیدی، کیسی رہیں تم؟"

سائمہ نے غور سے اُسے دیکھا۔ آج بھی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ چہرے پر ایسی شادابی تھی۔ ہر نقش چمک رہا تھا۔

"تم اپنی سناؤ راوی۔ وقت کیسا گزر رہا ہے؟"

"بہت اچھا۔ میں بہت خوش ہوں۔ بس سب کی یاد ضرور ستاتی ہے۔ گھر جانے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن آپ میں سے کسی نے بھی بھول کر نہ پوچھا تو فواد نے مجھے سمجھالیا۔ دیدی ابو کا غصہ کیسا ہے۔"

وہ اُداسی سے مسکرادی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا رانی۔ تم فکر نہ کرو اور اکیلی گھوم رہی ہو۔ فواد ساتھ نہیں آیا۔"

"اُس کی ایک ضروری میٹنگ تھی۔"

"تمھیں اکیلا بھیج دیا"

"پھر کیا ہوا دیدی" وہ ہنس پڑی

"میں خود آئی ہوں اور اتنی بچی تو نہیں"

وہ اُسے زبردستی ایک ریسٹورانٹ میں لے آئی۔ چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ عائشہ سب کا پوچھتی رہی۔ امّی کے متعلق سب سے زیادہ پریشان تھی۔ اُن کی صحت کے متعلق فکر مند تھی۔ سائمہ کو ہنسی آ گئی۔

"عائشہ رانی۔ اُن کی صحت کی خرابی کی ذمہ دار بھی تو تمھیں ہو۔ ظاہر ہے فکر بھی تمھیں ہی سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ لیکن جب تم نے ناطہ ہی توڑ لیا نئے رشتے استوار کر لئے تو اب کیوں پیچھے مڑ کر دیکھتی ہو۔ اُنھیں اُن کے حال پر رہنے دو۔ وقت کے ساتھ ساتھ سبھی کچھ بھول جائیں گے۔ ہو سکتا ہے وقت گزر لے پر تمھاری یہ خطا اتنی سنگین نہ رہ جائے۔ اُنھیں اپنی زیادتی پر افسوس ہوا۔"

عائشہ خاموش بیٹھی رہی کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے پوچھنے لگی۔

"ایک بات بتاؤ دیدی۔ تم بھی مجھ سے ناراض ہو گیا۔"

وہ لاپرواہی سے ہنس دی

"تمھیں کیا فرق پڑے گا۔"

"میری بات کا جواب دو۔"

"میں ناراض نہیں ہوں۔ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی خوشیوں کا ضامن خود ہو۔ دوسروں کے ہاتھ کی طرف نہ دیکھے۔"

"کسی روز گھر آؤ"

"وعدہ نہیں کرتی"

"کیوں ــــ!"

"ابو کو ان ملاقاتوں کا پتہ چلا تو انھیں دُکھ ہوگا۔"

"تم اتنی خود مختار بھی نہیں ہو دیدی کہ اپنی مرضی سے کہیں آجا سکو۔"

وہ اُداسی سے مسکرا دی۔

"پہلے ضرور تھی، اب نہیں ہوں۔ یہ سوچ کر کہ میری وجہ سے انھیں مزید دُکھ نہ پہنچے۔ میرے متعلق ان کا وہ اعتماد چکنا چُور نہ ہو۔ وہ اعتماد جو انھیں ایمان کی حد تک ہے۔ امی تمھارے لئے اداس ہوتی ہیں۔ ابو خود کو کام میں اس حد تک مصروف رکھتے ہیں کہ کسی اور بات کا خیال بھی نہ آپائے۔ میں وقت گزار رہی ہوں۔"

"عمران بھیا کیسے ہیں۔"

"اگلے ماہ باہر پڑھائی کے لئے جا رہا ہے۔"

"کورس پر"

"ہاں"

"اور ریحان سوزین کیسے ہیں"

"بہت خوش۔ سوزین علیحدہ گھر لینے کا سوچ رہی ہے"

"کیوں اتنی بڑی تو کوٹھی ہے"

"اس کے دوستوں، ملنے والوں کو اتنی آزادی تو نہیں جتنی وہ چاہتا ہے۔ رات رات بھر وہاں وہ ہنگامہ نہیں ہو سکتا جس کی وہ عادی تھی۔ ریحان بھی ان حالات کی وجہ سے پریشان رہتا ہے"

"ابو کی کیا رائے ہے"

بات نہیں ہوئی ابھی تک"

سائمہ مسکرائی آہستہ سے پوچھنے لگی۔

"فواد کیسا ہے، وقت کیوں کر گزر رہا تھا"

"دیدی وہ بہت اچھا ہے۔ میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ شاید اس خیال سے بھی کہ میں اتنے بہت سے لوگوں کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ اُس سے انسان سے مجھے یہ توقعات نہیں تھیں۔ لیکن وہ ہر چھوٹی چھوٹی بات کا خیال رکھتا ہے۔ خود پوچھتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں"

"مجھے خوشی ہوئی۔ اتنی قربانی دے کر بھی تمھیں یہ سب کچھ نہ ملتا تو کیا ہوتا۔ بہر حال تمھاری طرف سے اطمینان تو ہوا"

دونوں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ عائشہ کی گاڑی کھڑی تھی وہ اس میں بیٹھ کر چلی گئی سائمہ کو ڈراپ کرنے پر اصرار کیا، لیکن وہ نہیں مانی۔ اندر دوکان میں چلی گئی۔ بلا مقصد

اِدھر اُدھر گھومتی رہی، اوپرے دل سے چیزیں خریدیں اور واپس چل دی۔
گھر آ کر بھی وہ پریشان سی رہی۔ امّی کو عائشہ کی خیریت بتانا چاہتی تو تھی لیکن کچھ سوچ کر رُک جاتی۔ اُنھیں یقیناً خوشی ہوتی لیکن ایک بات کو جب وہ بھولنا چاہتی ہیں، تو یاد کروانے کا فائدہ بھی کیا۔

سائمہ کا آنا جانا، گھومنا پھرنا بہت کم ہو گیا تھا۔ خود کہیں جانے کو دل نہ ہوتا صبح یونیورسٹی گئی گئی کہیں دوپہر کو لوٹتی۔ گھر آ کر امّی کا ہر طرح سے خیال رکھتی کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے دل بہلاتی۔ کبھی اپنے ساتھ ہی گھمانے بھی لے جاتی۔

یونیورسٹی میں بھی اُس کی عادت وہ پہلے کی سی نہ رہی تھی۔ زیادہ گپ شپ نہ کرتی، کہیں آتی جاتی بھی نہیں۔ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتی۔ پڑھتی رہتی سوچتی رہتی۔ منصور سے ایک بار سرِ راہے ملاقات ہوئی، دو ایک باتیں کر کے وہ عجلت سے چل دی۔ وہ اُس کے رویّہ پر حیران ہوا۔ اُس کے جانے کے بعد بھی کتنی ہی دیر کھڑا سوچتا رہا۔

اُس روز وہ کلاس سے فارغ ہو کر باہر آئی تو شجاع کا چپراسی دروازے سے باہر انتظار کر رہا تھا۔ شجاع نے بُلایا تھا۔ سائمہ اُس کا سامنا کرنا نہ چاہتی تھی لیکن مجبوراً جانا پڑا۔ پردہ ہٹا کر اندر آئی تو سامنے ہی منصور بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھ کر سائمہ ٹھٹھک گئی۔ چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔
"آیئے، رُک کیوں گئیں"
وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر آ گئی۔

"کیسی ہو سائمہ" وہ آہستہ سے بولا

"اب تو تمھاری صورت ہی نظر نہیں آتی۔ خبر نہیں کہاں رہتی ہو۔ اور جب ملتی بھی ہو تو اکھڑی اکھڑی سی۔ تمھیں کیا ہوا ہے"

"بالکل ٹھیک ہوں۔ کوئی ایسی بات نہیں"

"پھر بھی۔ ایسی کیا بات ہو گئی"

"کہہ جو دیا کچھ نہیں۔ خواہ مخواہ اصرار کر رہے ہو"

"تمھارے موڈ کو کیا ہوتا ہے"

"فضول باتیں کر رہے ہو"

"دیکھو سائمہ" وہ سرزنش کرتا ہوا بولا

"ٹھیک سے بات کیا کرو۔ میں اس طرح بات کا عادی نہیں۔ تم سے اگر پوچھا جائے تو ٹھیک سے جواب کیوں نہیں دیتی ہو"

"کسی کو کیا میں کیسے جواب دوں"

"بہت بے حس ہو رہی ہو"

"شروع سے ہوں"

"بالکل لڑائی کے موڈ میں ہو"

"میں تو اچھی بھلی آئی تھی"

"میں ذمہ دار ہوں کیا"

"اور کیا۔ شجاع بھائی کہاں ہیں"

"ایک ضروری کام سے گئے ہیں۔ بیٹھو ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے اور

بلایا میں نے تھا اُنھوں نے نہیں "

اس کی پیشانی پر شکن آ گئی۔

" کیا ضرورت پیش آ گئی "

" بلانے میں کوئی حرج ہے کیا "

" وہاں نہیں آسکتے تھے "

" بالکل آسکتا تھا "

" پھر — کچھ نہیں " وہ ہنس پڑا۔

وہاں کوئی نہ کوئی مصیبت سر پر سوار ہوتی ہے۔ چند لمحے تو بیٹھ کر سکون سے بات نہیں ہو سکتی۔ تمھاری کوئی نہ کوئی سہیلی آ ٹپکتی ہے۔ اور کچھ نہیں تو کسی سٹوڈنٹ کو پرابلم آ پڑتا ہے "

" کوئی ایسا ہی ضروری کام تھا "

" تھا تو — اب دل نہیں چاہ رہا "

" چلو اچھا ہے قصّہ تمام ہوا "

" ہاں۔ تم تو خوش ہوئیں۔ بلا اُتری گلے سے "

" ہیں جاؤں اب "

وہ چڑ کر کہنے لگا۔

" اتنی اُکھڑی اُکھڑی کیوں ہو۔ یا میں یہ سمجھوں کوئی اور بات ہے۔ جو بات گزر جائے اُس کا تو غم نہیں کرنا چاہیئے اور تم تو اتنی حساس کبھی نہ تھیں۔ اب کیا ہو گا "

سائمہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ چُپ چاپ جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی منصور

نے اُس کی طرف دیکھا۔ تیز لہجے میں بولا۔

"سائمہ۔ تم نہیں جاؤ گی۔"

اُس کے لہجے میں ایسا اکھڑپن تھا کہ سائمہ نے حیران ہو کر سر اٹھا اُسے دیکھا اُس کے چہرے پر کرختگی تھی اور کچھ ایسا انداز کہ اُسے کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑ سکی۔ خاموشی سے دوبارہ بیٹھ گئی۔

کمرے میں چند لمحے کو ناگوار سا سکوت رہا۔ سائمہ نظریں جھکائے بیٹھی مارے جھنجھلاہٹ کے ہونٹ کاٹتی رہی۔ منصور چپ چاپ بیٹھا اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اُن نظروں میں غصّہ تھا اور پشیمانی بھی۔ ملامت کا ہلکا سا احساس۔

"سائمہ! آج میرے گھر آؤ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"وہ باتیں یہاں بھی ہو سکتی ہیں۔"

"نہیں ہو سکتیں۔"

"تمہارا خیال ہے۔"

"درست ہے۔ میں تم سے بہتر سوچتا ہوں۔"

خوش فہمی ہے تمھاری۔"

"پھر کیا چاہتی ہو" وہ تنگ آ کر بولا

"کسی صورت۔ کسی بات میں سمجھوتہ پر تیار ہی نہیں ہوتیں۔ گھر آنے میں حرج ہی کیا ہے۔ وہاں امّی آئی ہوئی ہیں اُن سے ملنے نہ آؤ گی۔"

کچھ موڈ نہیں کہیں بھی جانے کا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

سائمہ نے لمبا سانس لیا۔ آہستہ سے بہت اپنائیت سے بولی۔

" منصور اب تم پوچھ رہے ہو تو بتا ہی دوں میں آج کل بہت پریشان ہوں۔ گھر کا ماحول کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کیا کروں۔ تنہائی اتنی ہے کہ میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔"

منصور خاموشی سے، بڑی سنجیدگی کے ساتھ ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے تک رہا تھا، کچھ سوچ رہا تھا۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولا۔ سائمہ ہولے ہولے بولتی رہی۔

" عائشہ اس گھر میں نہیں آسکتی۔ ابّو میں تو روشن خیال لیکن اس معاملے میں ضدّی ہو رہے ہیں۔ اس ایک بات کے لئے اتنی بڑی سزا دینا کہاں جائز ہے۔ امّی لاڈلی بیٹی کی جُدائی سہار نہیں رہیں۔ ہر وقت منہ لپیٹے پڑی رہتی ہیں۔ طبیعت یوں بھی کچھ اچھی نہیں، اُس پر یہ پریشانی۔ بات کو کتنا ہی موڑو لیکن کہنے والوں کی زبانیں نہیں رُکتیں۔ ایک فرد اگر سزاوار ہو تو دوسروں پر اُس کی ذمہ داری نہیں آتی۔"

" تمھیں کسی نے کچھ کہا"

" کوئی سامنے تو نہیں کہتا۔"

" پروا نہ کرو، لوگ بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ پھر عائشہ نے بیاہ ہی تو کیا ہے۔ بھاگ تو نہیں گئی۔"

" بہر حال ——" وہ بات کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ منصور نے ترحم نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

" تم چند روز کی چھٹی کیوں نہیں لے لیتیں۔"

"کیا کروں گی۔ گھر رہ کر تو اور پریشان ہوتی ہوں"

"شام کو نکلا کرو"

"دل نہیں چاہتا"

"لوگوں کی باتوں سے ڈرتی ہو"

"شاید ــــ میں گھر والوں کو مزید کوئی دُکھ دینا نہیں چاہتی۔ میری طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو کہ وہ کسی اور انداز میں سوچنے لگیں"

منصور کی پیشانی پہ شکن تھی۔

"ساری روایات تمھارے لئے ہی ہیں"

"کوئی تو ہو"

"جہاں وہ کہیں گے وہیں بیاہ کر لوگی"

"پھر اور کیا کر سکتی ہوں"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تمھاری پسند کچھ نہیں"

"مجھے کچھ پتہ نہیں"

"بزدل ہو تم۔ تم سے تو عائشہ اچھی تھی، کم از کم بہادر تو تھی۔ مقابلہ تو کر سکتی تھی"

"ہاں ــ مجھ میں اور اُس میں فرق تھا"

"مجھے تمھاری یہ بات پسند نہیں"

"مجھے معلوم ہے"

"پھر بھی یوں کہتی ہو"

"اور کیا کر سکتی ہوں" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب میں جاؤں مجھے تھوڑا سا کام کرنا ہے۔"

"پھر آؤ گی"

"کہہ نہیں سکتی"

منصور کو بُرا سا لگا۔ چُپ ہو گیا آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے، تمھاری مرضی۔ اگر دل چاہے تو چلی آنا۔ ورنہ تمھیں مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔ ہو بھی ضدّی۔"

وہ خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی، اُس کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔ خدا حافظ کہتی ہوئی باہر آ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ منصور سے چند باتیں کر کے سکون ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا آپس میں بڑی اپنائیت ہو۔ کوئی بات ایک دوسرے سے چھپی ہوئی نہ ہو۔

اُسی شام کو صباحت اور شجاع چلے آئے۔ سائمہ گھر میں ہی تھی، لان میں بیٹھی ریکارڈ سُن رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر صباحت امّی کے پاس چلی گئی۔ سائمہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کی۔ واپس پہنچانے کا بھی وعدہ کیا۔ امّی کو سائمہ پر اتنا اعتماد تھا فوراً مان گئیں۔ سائمہ کو دیکھ کر بجائے خوشی کے رنج ہوا۔ اگر کہیں یہ اعتماد ٹوٹ گیا تو۔ صباحت کے ساتھ وہ چلی آئی اپنے گھر کی بجائے وہ منصور کی طرف جا رہے تھے۔ سائمہ دیکھ کر بھی چُپ رہی۔ گاڑی گیٹ کی راہ اندر چلی گئی۔ امّی اور منصور لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ منصور انھیں دیکھ کر خوش ہوا۔

"آپا یہ سائمہ کیسے آ گئیں۔"

"جیسے خود سے آئیں" شجاع مسکرا دیا۔

"بڑی مشکلوں سے لا پائے ہیں"

صباحت ہنس پڑی

"ہاں بھیّا تم شرط ہار گئے ہو"

سائمہ چونکی۔ مڑ کر منصور کی طرف دیکھا

"کیسی شرط"

"کچھ نہیں۔ آپا مذاق کرتی ہیں"

"بھئی اب مکرنا نہیں"

سائمہ نے صباحت کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے نہ بتائیں گی کیا"

وہ بدستور ہنستی رہی، اُس کی بجائے شجاع نے جواب دیا۔

"منصور کہہ رہا تھا سائمہ بہت ضدی ہے، وہ نہیں آئے گی۔ صباحت کو غصّہ آگیا۔ اس لئے شرط لگ گئی۔ یہ قصّہ ہے"

سائمہ کے چہرے پہ ہلکی سی سُرخی جھلک آئی، منصور کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ پاس ہی پڑی کرسی پر آ بیٹھی امّی کو ملی۔ ذرا دیر باتیں کرتی رہی پھر کریم اور پیالیاں لے آیا۔ صباحت سب کے لئے چائے بنانے لگی۔ پیالی سائمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اِس شرط میں تم بھی برابر کی شریک ہو"

"شرط کا پتہ بھی تو چلے"

شجاع تنگ کرنے کو بولا

" ہاں سائرہ بی بی کو پتہ ہوتا تو نہ ہی آتیں۔ کم از کم منصور شرط تو جیت جاتا۔"

منصور مسکراتا ہوا بولا

" مجھے اپنی اس ہار کا کوئی افسوس نہیں۔ بارے سائرہ آئیں تو۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔"

" پھر انٹر کونٹی نینٹل میں کھانا کب دے رہے ہو۔"

" ایک شرط پر۔"

شجاع ہنس دیا۔

" ابھی مزید کسی شرط کی ضرورت ہے۔"

" سائرہ کی موجودگی کی بات کرو گے" صباحت بولیں

" اس کا ذمّہ میں لیتی ہوں۔"

" واقعی"

" اور کیا مذاق کر رہی ہوں۔" وہ مسکرائی

" کیوں سائرہ"

" اب تو بات رکھنی ہی پڑے گی۔"

شجاع کی بات پر سائرہ مسکرا دی

" لیکن ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔ میرا یہاں آنا کیا ضروری تھا کہ شرط تک بدنے کی ضرورت پیش آگئی۔"

منصور نے صباحت کی طرف دیکھا وہ ہنس دی۔

"یہ تو منصور ہی بتا سکتا ہے"

شجاع منصور کی طرف مڑا

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔ جواب دیتے ہو"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا

"یونہی آپ لوگوں کو کھانا کھلانے کا موڈ تھا۔ سوچا اسی طریقے سے سائمہ بھی شرکت کر لے گی۔ ذرا گپ شپ ہی رہے گی"

"ہو بہت ہوشیار" صباحت نے آنکھ ماری

"کوئی اور مقصد تو نہ تھا"

"میری کیا مجال ہے"

"سائمہ چلتی ہو"

"دیر ہو جائے گی اور امی سے اجازت نہیں لی ہوئی"

منصور کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔

"اور آپ خیر سے امی کے پلّو سے بندھی ہوئی ہیں"

سائمہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کو ہوئی، پھر مسکرا کر چپ ہو رہی۔ منصور کی امی نے دخل اندازی کی۔

"اچھا ہے ماں کی اجازت ضروری ہوتی ہے"

"چلئے امی تو خوش ہو گئیں۔ بچی ہے فرمانبردار"

اس کے لہجے میں ہلکا سا تمسخر نمایاں تھا۔ سائمہ کو الجھن سی ہوئی۔ منصور پر اتنا غصہ آیا اب وہ بھلا سب کے سامنے ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ کوئی تک بھی تو ہو۔

مانا کہ ایک بات اُسے پسند نہیں، لیکن یہ بھی تو ضروری نہیں کہ سب کی موجودگی میں اُس کا اعلان بھی کیا جائے۔ مذاق بھی اُڑایا جائے۔

صباحت اُس کا موڈ پہچان رہی تھی، موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"چھٹیوں میں کہیں باہر جا رہی ہو سائمہ"

"فی الحال کوئی پروگرام نہیں۔ شاید بن جائے۔ امّی کی طبیعت پر بھی منحصر ہے۔"

"ضرور جاؤ۔ صحت کے لئے اچھا ہوتا ہے۔"

"جی"

وہ اور کچھ نہ بولی۔

واپس آتے ہوئے دیر ہو گئی گپ شپ اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔ صباحت نے ڈنر کا وعدہ لے کر ہی چھوڑا اور مجبوراً سائمہ کو اقرار کرتے ہی بن پڑا۔ امّی سے اجازت لینا یوں بھی کچھ ایسی بڑی بات نہ تھی، وہ تو اس کا اپنا احساس تھا جو وقت بے وقت تنگ کرتا رہتا تھا۔ صباحت دوسرے دن بھی چلی آئی۔ سائمہ تیار ہی تھی۔ شجاع اور منصور گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ سائمہ نے بہت خوبصورت رنگ کی گرین ساری پہنی تھی۔ ہلکی ہلکی روشنی میں اتنا سج رہی تھی۔ شجاع اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں باتیں کر رہا تھا منصور ہمیشہ کی طرح لئے دئے بیٹھا تھا، سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ صباحت بڑے خوشگوار موڈ میں تھی۔ خوب باتیں کر رہی تھی، ہنس ہنسا رہی تھی۔ سائمہ کو وہاں بیٹھتے اور یوں باتیں کرتے ہوئے ایسا اچھا لگ رہا تھا۔ خود کو اتنا ہلکا پھلکا سُبک محسوس کر رہی تھی۔ بس کبھی کبھی ایک دم سے ہی عجیب سا احساس گھیر لیتا۔ خواہ مخواہ ہی بے چین ہونے لگتی۔ منصور کی طرف دیکھتے

ہوئے دل دُکھتا۔ اپنے آپ سے یہ جنگ اُسے بڑی مہنگی پڑ رہی تھی۔ ذہن تھک گیا تھا مزید کچھ اور سوچنے کی ہمت خود میں نہ پا رہی تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے کتنی ہی بار اُس نے منصور کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ نظروں کا وہ مخصوص سا انداز اور ہر بار اُنھیں محسوس کر کے وہ کھانا کھانا بھول جاتی۔ کچھ اور ہی سوچنے لگتی۔

اور اُس روز واپسی میں اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ منصور سے نہیں ملے گی۔ جس منزل پر نہیں پہنچنا اُس راہ چلنے کا کیا فائدہ۔ اس کے متعلق سوچنے سے بھی کیا حاصل۔ سراب کو پانے کی تمنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔ تاریخ دوہرانا وہ نہیں چاہتی تھی۔ ابھی تو عائشہ کا دیا زخم ہی مندمل نہ ہوا تھا۔ لوگوں کی وہ تلخ نظریں۔ وہ فقرے ابھی تک ویسے ہی تھے۔ وہ اُس کی تمام تر تقدیس اور اصول پسندی کے باوجود اب اُس پر بھی چھینٹے اُڑانے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ اُسے بھی اُسی راہ پر چلتے محسوس کرتے جہاں گھر کی ایک لڑکی کے قدم گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے میں فرق محسوس نہ کرتے تھے۔ اُن کی وہ چبھتی ہوئی نظریں اُسے ابھی تک یاد تھیں۔ ایک دعوت میں اپنے متعلق مختلف لوگوں کی سستی رائے سن کر اُس کا دل دُکھ اُٹھا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہوا تھا کچھ نہ کرتے ہوئے بھی اُس کا آنچل میلا ہو گیا ہو۔ کوئی اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھا سکتا تھا، اُسے تھام نہ سکتا تھا اور یہ میلا آنچل لئے وہ جس طرف جاتی لوگوں کی نظریں اُٹھتیں۔ وہ نظریں جن میں تمسخر تھا حقارت تھی۔ جنھیں اُس کے اُجلے پن میں بھی گندگی نظر آتی۔

"سائمہ بہت بنتی ہے۔"

کسی نے کہا تھا اور یہ آواز سن کر اُس کے قدم زمین سے ہی جم گئے تھے۔ چند لمحوں تک

ساکت کھڑی رہی کہ دوسری آواز نے طلسم توڑ دیا۔

"ہاں لیکن درحقیقت وہ کیا ہے، یہ تو سبھی جانتے ہیں"

پھر ایک طنز میں ڈوبی ہوئی ہنسی کی آواز تھی۔

"آج کل عائشہ کی طرح کسی کو قابو کرنے کی فکر میں ہے"

اتنا سستا فقرہ سُن کر اُس کی پیشانی پر پانی کی بُوندیں اُبھر آئیں۔ اس سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کی جرأت خود میں نہ تھی۔ پریشان کھڑی سوچتی رہ گئی کسی کے غلط قدموں کی سزا اُسے کیوں مل رہی ہے۔ راہ کی یہ دُھول اُس کے آنچل پر کیوں آگئی۔ اُس کا مقدر کیوں بن گئی۔ وہ کچھ بھی کرے ہر بات قابلِ اعتراض کیوں ہو جاتی ہے۔ اُس کی اچھی باتیں بھی بُرائیاں بن کر ڈسنے لگتی ہیں۔

اور یہی سوچ کر اُس نے فیصلہ کیا کہ آئندہ منصور سے نہیں ملے گی۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرے گی۔ اپنے گھر والوں کو سکون سے جینے دے گی۔ اُن کے رہے سہے اعتماد کو مجروح نہ کرے گی۔

گاڑی پورچ میں رُکی تو صباحت اُسے اندر پہنچانے کے لئے ساتھ ہی اُتر پڑی۔ صائمہ نے ذرا سا آگے جُھک کر منصور کا شکریہ ادا کیا تو وہ مسکرا دیا۔

"شکریہ تو آپ کا ہونا چاہیئے کہ آپ نے زحمت فرمائی"

شجاع ہنس پڑا۔

"بلکہ تمھارے طفیل ہمیں بھی ایسا اچھا کھانا نصیب ہوا"

گاڑی واپس جانے کو مڑی تو صائمہ وہیں سیڑھیوں میں کھڑی رہی۔ اُس کی پچھلی لال بتیوں پر دیر تک نظریں جمائے رہی جب تک وہ اوجھل نہ ہو گئیں۔ یوں

دیکھ رہی تھی۔ گم سم سی جیسے ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہی ہو۔ کتنی ہی دیر ہلکی سی سردی میں سیڑھیوں میں بیٹھی سوچتی رہی۔ وہ سوچیں جو اُس کے اپنے متعلق تھیں۔ جن پر اُسے قابو نہ تھا۔ خود بخود ہی ذہن میں چلی آرہی تھیں۔ ہر دریچہ بند کرنے کے باوجود گھس رہی تھیں اور جن کے متعلق سوچ سوچ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ سردی زیادہ ہو گئی تھی، اُسے ہلکی سی کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔ جیسے ہوش میں آگئی۔ ایک بار چاروں طرف دیکھا۔ رات اتنی زیادہ گزر گئی تھی کہ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ سناٹا اور خاموشی۔ اُسے انجانا سا خوف محسوس ہوا، وہ ایک دم سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی کتنی پاگل ہوں،"

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ آہستہ سے اُٹھ کر اندر چل دی۔

عمران ایک کورس کے سلسلے میں باہر جا رہا تھا۔ امّی اُداس تھیں۔ دل نہ چاہتا تھا کہ اُسے بھیجیں، لیکن ابّو کی ضد اور خود اُس کی اپنی خواہش کے سامنے مجبور تھیں۔ سائمہ کو بھی تنہائی کا احساس ہو گیا تھا۔ ایک عمران ہی تو ایسا تھا جس سے کوئی بات ہو سکتی تھی۔ ریحان اور سوزین کی اپنی دلچسپیاں تھیں۔ ریحان بھی اُسی کے رنگ میں رنگا گیا تھا۔ اُس کے پروگرام بھی وہی ہو گئے تھے جو سوزین کے تھے۔ گھر والوں سے اتنا لاتعلق ہو گیا تھا۔

عائشہ سے پھر کبھی ملاقات نہ ہوئی۔ ایک بار سائمہ نے اُسے بازار میں شاپنگ کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ پہلے سے ذرا موٹی ہو رہی تھی۔ فواد کے ساتھ جاتی ہوئی اتنی خوش باش اور اچھی معلوم ہو رہی تھی کہ دیکھ کر انجانے میں ہی سائمہ کو اُن دونوں پر رشک آ گیا۔ سب کے چھوڑنے کے بعد کوئی تو ہو کہ انسان جس کے شانے پر سر ٹکا کر سب کچھ بھول جائے۔

منصور اس دوران میں کچھ زیادہ ہی مصروف رہا۔ ایک دو بار سائمہ کو فون کیا۔ اُس نے جان بوجھ کر ریسیو نہ کیا، کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا اور بعد میں اُس کا دل

اتنا دُکھا۔ بے اختیار رونے کو چاہا۔ کتنی ہی بار سوچا۔ خود پر یہ زبردستی بھلا وہ کیوں کر رہی ہے۔ سب کے فرائض کیا اُسی پر ہی عائد ہوتے ہیں، کسی اور کو دوسروں کی خوشیوں کا احساس نہیں۔ یہ احساس کا کانٹا صرف اُسی میں کیوں ہے۔ عمران کے جانے کی وجہ سے خاصا ہنگامہ رہا۔ دوست، رشتہ دار ملنے کو آتے رہے۔ چھوٹی موٹی دعوتوں کا سلسلہ بدستور رہا۔ عمران کی ساری پیکنگ اور تیاری اُسی نے ہی کی۔ وہ چلا گیا تو ایرپورٹ سے واپس آکر کتنی ہی دیر لان میں ہی بیٹھی رہی اُداس ہوتی رہی۔ آہستہ آہستہ سبھی چھُپٹ رہے تھے۔

شام گہری ہو رہی تھی، جب وہ وہاں سے اُٹھی اپنے کمرے میں جانے کو دل نہ چاہا۔ سیدھی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ ریکارڈ لگا بے دلی سے رسالہ دیکھتی رہی۔ اُسی وقت ہی ملازم اندر آگیا۔

"آپ کا فون ہے۔"

"کون ہیں" وہ آہستہ سے بولی۔

"نام نہیں پوچھا؟"

"جی نہیں۔"

"کہہ دیا گھر میں ہیں۔"

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ سائمہ کو غصہ آگیا۔ جھنجھلا کر بولی

"کتنی بار کہا ہے۔ سمجھایا ہے نام پوچھا کرو۔ تمھیں کبھی سوجھ آپائے۔"

وہ چُپ رہا۔ سائمہ بُرا منہ بنائے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ریسور کان سے لگایا وہ منصور کا تھا۔ سائمہ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"کہاں رہتی ہیں آپ۔ جب بھی فون کرو یہی جواب ملتا ہے گھر میں نہیں۔ کیا مصروفیات بہت ہو گئیں"

"جی کچھ ایسے ہی تھا۔ عمران باہر جا رہا تھا اُسی میں لگے رہے"

وہ چونکتا ہوا بولا۔

"اچھا۔ تو ایسی بھی کیا اجنبیت کہ آپ نے بتایا بھی نہیں"

"کوئی بتانے والی بات ہی نہ تھی"

"سائمہ تم بدلی ہوئی لگتی ہو"

"نہیں تو"

وہ ذرا تیز لہجہ میں بولا

"کیا تکلیف ہے تمھیں"

سائمہ ہنس پڑی

"اور سنائیں آپ کا کیا حال ہے۔ مزاج کیسے ہیں"

"مزاج کو مارو کالے۔ میں تو تمھارے متعلق سوچ رہا ہوں۔ یہ آخر تمھیں ہوا کیا ہے۔ بڑا غیر دوستانہ رویہ اختیار کر رہی ہو۔ میں کل کسی وقت آؤں گا"

وہ عجلت سے بولی۔

"نہیں۔ نہیں"

"کیوں؟"

"مجھے کچھ ضروری کام ہیں"

وہ آہستہ سے ہنسا۔

"اُن ضروری کاموں کی تفصیل ہی تو میں جاننا چاہتا ہوں۔ پتہ نہیں مجھے اُس کا حق ہے یا نہیں۔ لیکن تم سے ملنے کو بھی دل تھا۔ فکر نہ کرو۔ میں تمھاری مصروفیات میں مخل نہ ہوں گا۔ زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ اچھا!"

سائمہ مزید اصرار نہ کر سکی۔ چُپ رہی۔ فون بند ہونے کے کتنی دیر بعد تک بھی وہ ریسیور ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ سوچتی رہی۔ عجیب تذبذب کا عالم تھا۔ فیصلہ ہی نہ ہو رہا تھا۔

صبح وہ یونیورسٹی ہی نہ گئی۔ اپنی بزدلی پر غصّہ بھی آیا لیکن کسی طور خود کو تیار نہ کر سکی۔ سارا وقت بیکار لیٹی رسالے، کتابیں پڑھتی رہی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں سوچتی رہی۔ ریڈیو سنا۔ دوپہر کو فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ ملازم کہیں کام پر گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر یونہی لیٹی رہی۔ گھنٹی بج بج کر بند ہو گئی۔ دس منٹ بعد شروع ہو گئی۔ مجبوراً سائمہ کو اُٹھنا پڑا۔ منصور کی آواز پہچان کر اُس کے چہرے پر سرخی آ گئی۔

"واہ بزدل۔ یونیورسٹی ہی نہیں آئیں، میں نے تمھیں کیا کہنا تھا۔ ڈرتی ہو مجھ سے۔"

وہ آہستہ سے بولی

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔"

پھر آئیں کیوں نہیں۔"

"کچھ طبیعت اچھی نہیں۔"

"کیا ہوا۔ طبیعت کیوں اچھی نہیں۔"

"منصور" وہ آہستہ سے بولی

"مجھے تم سے نہیں ملنا"

وہ حیران ہوا

"کیا مطلب"

"میں نہیں چاہتی تم مجھ سے ملو یا مجھے فون ہی کرو۔"

"تمھیں کیا ہوا ہے؟"

"بس۔ یہ میری تم سے درخواست ہے۔ اسے میرا فیصلہ سمجھو۔"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔

"بالکل بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کسی نے کچھ کہا ہے۔ میں نے کوئی قابل اعتراض بات کی ہے تم سے، اس بات کی مجھے توقع نہ تھی۔"

"بس منصور۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق کچھ نہ پوچھنا چاہیئے۔"

"میں تیار نہیں۔"

"تمھاری مرضی۔ لیکن اگر میں بدتمیزی کا مظاہرہ کروں تو بعد میں شکایت نہ کرنا۔"

"اچھا ایک بار مجھ سے مل کر بات کر لو۔ جہاں تم کہتی ہو وہیں سہی۔ تمھارے گھر۔ میرے گھر۔ کہیں پر بھی۔"

"ایسا ضروری تو نہیں۔"

"میرے نزدیک ضرور ہے۔ مجھے معلوم ہے میں تمھیں مجبور کر رہا ہوں لیکن تمھیں ماننا پڑے گا۔"

نہیں —"

"ضد نہ کرو سائمہ"

مارے ضبط کے بھی اُس کی آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ بولنے کی کوشش کی لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔ رسیور یونہی ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ منصور دوسرے کنارے پر بولتا رہا۔ اُس کا نام لے کر پکارتا رہا۔ وہ چُپ کھڑی رہی۔ رسیور ہاتھ سے رکھ دیا۔

گھنٹی بجتی رہی۔ وہ یونہی منہ لپیٹے پڑی رہی، پھر تنگ آکر رسیور اُٹھا کر پرے رکھ دیا۔

"مجھے معاف کر دو منصور"

اُس کی آواز میں اتنی یاسیت تھی۔ دُکھ کا احساس تھا۔ اُس روز وہ پریشان سی چاروں طرف گھومتی رہی۔ کسی گوشے میں سکون نہ تھا۔ کسی سے بات کرنے کو طبیعت نہ مانتی تھی۔

پھر کتنے ہی دن گزر گئے۔ منصور نہ خود آیا اور نہ ہی اُس نے فون پر سائمہ سے بات ہی کی۔ اُس نے بھی خود کو مصروف رکھا۔ کسی قسم کے خیال کو ذہن میں جگہ نہ دی۔ کسی وقت ایک خلش سی ہوتی، کسی کمی کا سا احساس ہوتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔

اُس روز یونیورسٹی میں شجاعت نے اُسے بُلا بھیجا، سائمہ کا خیال تھا شاید منصور بھی وہیں ہو، لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ سائمہ کو مایوسی ہوئی۔ بے دلی سے بیٹھ گئی۔ شجاعت اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر سائمہ سے پوچھنے لگا۔

"تمھارا اور منصور کا جھگڑا ہو گیا کیا؟"

"نہیں تو"

"پھر"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"منصور کی طبیعت ان دنوں اچھی نہیں۔ آفس سے بھی چھٹی پر ہے۔ کل میں اور صباحت گئے تو بہت لاتعلق لگ رہا تھا۔ تمھارا ذکر ہوا تو کہنے لگا اب اُس کی بات نہ کریں۔ بہت پوچھا کچھ نہیں بتایا۔ سو میں نے سوچا تمھیں سے پوچھیں۔"

وہ بڑی معصومیت سے بولی

"میرے علم میں نہیں۔"

"تم نے کچھ کہا"

"میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"تم نے اس سے کوئی بات کی۔"

"نہیں۔"

شجاع ہنس پڑا

"منصور بہت حساس ہے۔ شاید تمھاری کوئی چھوٹی سی بات اُسے بُری لگی۔ جس کا احساس تمھیں خود بھی نہیں اور وہ سنجیدگی سے لے بیٹھا۔ یوں آدمی بُرا نہیں۔ اُس سے سنجیدہ اور پیارے لوگ کم ہوتے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ میں خواہ مخواہ اُس کی طرفداری کر رہا ہوں۔ اُس کے متعلق یہ رائے تقریباً سبھی لوگوں کی ہے۔"

سائمہ اس دوران خاموش رہی سنجیدگی سے اس کی بات سنتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"مجھے اُن کی خوبیوں سے انکار نہیں۔"

اس کی کوئی بات ناپسند آئی تمھیں۔"

سائمہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا۔ پلکیں جھپکتی رہی۔

"تعلق ہی کیا ہے کہ وہ ضرور مجھے بُرا لگے یا وہ بات مجھے ناپسند ہو۔"

"سائمہ ــــ" وہ چونکتا ہوا بولا
" تم اتنی لاتعلق کیوں ہو رہی ہو"
" اور کیا کروں"
" تمھیں منصور کی دلچسپی کا اندازہ ہے"
وہ چُپ چاپ بیٹھی پلکیں جھپکاتی رہی بولی کچھ نہیں۔
اتنی انجان تو نہیں ہو"

وہ پھر بھی چُپ رہی۔ چہرے پر ہلکی سی سُرخی آ گئی۔ برداشت کرنے کی کوشش کی، ہونٹ کاٹتی رہی۔ شجاع نے پہلی بار اس انداز میں بات کی تھی اور اس کے انداز پر وہ حیران بھی ہوئی تھی اور کچھ شرمسار بھی۔ کیا بات اتنی آگے جا چکی تھی، اس کا اندازہ اُسے نہ تھا۔ شجاع سنجیدہ تھا۔ تکلیف دہ حد تک سنجیدگی سے باتیں کر رہا تھا۔

" سائمہ تم بچی تو نہیں ہو۔ اور تم جیسی سمجھدار لڑکی سے میں یہ امید نہیں رکھ سکتا کہ تم منصور کے رجحان کو نہیں سمجھتی ہو۔ وہ بہت ضدی بھی ہے اور ایک بار جس بات کا فیصلہ کرے اُس پر سے اُسے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ شکست کھانا اُس نے سیکھا ہی نہیں"

سائمہ آہستہ سے بولی۔
" میں سمجھتی ہوں"
" پھر کیا فیصلہ کیا تم نے"
" کچھ نہیں ــ میں نے وہ راہ ہی چھوڑ دی"
" کیا مطلب"
" جو بات ہو نہ سکتی اُس کے متعلق سوچنے سے کیا حاصل"
" میں اب بھی نہیں سمجھا۔ صاف بات کرو۔ کون سی چیز ایسی ہے جو ہو نہ سکے۔

جس کا پانا ممکن نہ ہو۔"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

آپ کی اور میری سوچ میں بہت فرق ہے۔ یہی حال منصور کا بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ عرصہ بعد اگر حالات اسی طرح رہتے تو وہ مجھے ہی موردِ الزام ٹھہراتا۔ مجھ سے غلط قسم کی توقعات وابستہ کر لیتا۔

شجاع مسکرا دیا۔ آہستہ سے بولا۔

" اور کیا خبر اُس نے اب بھی وابستہ کر ہی لی ہو۔"

" پھر میں قصور وار نہیں۔"

" اور کس کو کہا جائے۔"

سائمہ ہنس کر خاموش ہو رہی۔ جواب کچھ نہیں دیا۔ شجاع کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا، سائمہ کو دیکھتا رہا۔

" تم بہت ڈرپوک ہو۔"

" اِس میں کیا شک ہے۔"

" تم سے یہ اُمید نہ تھی۔"

وہ تلخ انداز میں مسکرا دی۔

" سب سے زیادہ امید تو مجھ ہی سے کی جا سکتی ہے۔"

" کیوں"

" میں ان معاملات میں روایات کی کچھ زیادہ ہی پابند ہوں۔ کچھ دوسروں کی مجبوریاں میرے پاؤں کی زنجیریں بن گئی ہیں۔ ہر کام کرنے سے پہلے پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں کہیں ہوتے نظر نہ آئیں۔ ہر اگلا قدم اُٹھانے سے پہلے یہ سوچتی ہوں کسی کے نقشِ قدم پر تو نہیں چل رہی۔ میری بات سے کسی کا دل تو نہیں دُکھ رہا۔ کوئی کسی اور انداز میں

تو نہیں سوچ رہا۔"

" سائمہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

" میں احسان مند ہوں۔"

" بہرحال کسی روز گھر آؤ لوگ تمہیں یاد کرتے ہیں۔"

" ضرور آؤں گی۔"

" منصور کی خبر نہ لو گی"

" کچھ ایسے بیمار تو نہ ہوں گے۔"

" اچھا۔ زیادہ ہی بیمار کی خبر لینے کی قائل ہو۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

" میں جاؤں اب"

" ضرور جاؤ لیکن اس بات پر غور کرنا نہ بھولنا۔"

وہ اوپرے دل سے بولی۔

" اچھا"

اور جلدی باہر۔ اپنے کمرے میں آکر بھی غور کرتی رہی۔ شجاع کی کہی گئی باتوں کے متعلق سوچتی رہی۔ منصور اتنا سنجیدہ ہو جائے گا اس کی اُسے کوئی توقع نہ تھی۔ آدمی بُرا نہ تھا اُسے بھی پسند تھا۔ کتنی ساری خوبیاں ایسی تھیں جن کی وہ دل سے مداح تھی لیکن وہ اپنی مجبوریوں کا کیا کرتی۔ وہ نامحسوس سی زنجیریں جن کی کھنک دُور سے سنائی دیتی تھی۔ وہ جھوٹے وقار اور پُرانے رسم و رواج کی قید جس سے اب اکثر ہی اُسے دم گھٹنے کا سا احساس ہوتا عجب سی بے چینی محسوس ہوتی۔

خود بخود ہی ذہن عائشہ کی طرف چلا گیا۔ وہ کتنی خوش تھی۔ فواد اُس سے کتنا پیار کرتا تھا۔ ایک بار پھر اُسے عائشہ پر رشک آ گیا۔ لیکن اپنے متعلق سوچ کر وہ کپکپا گئی۔

کمرے میں سسکی روتیرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سر جھٹک کر ہر خیال کو ذہن سے مٹا دینے کی کوشش کی۔

"ان باتوں میں رکھا ہی کیا ہے۔"

اُس نے نوٹس کھول کر سامنے رکھ لئے۔

امّی کی طبیعت اُن دنوں کچھ زیادہ ہی خراب رہنے لگی تھی۔ ابّو اپنے کام میں مصروف رہتے۔ اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ مجبوراً ساری خبر گیری، دیکھ بھال سائمہ کے ذمّہ ہی آپڑی۔ یونیورسٹی سے واپس آکر جو لگتی تو شام کو خبر لاتی۔ امی کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال رکھا۔ پاس بیٹھ کر باتیں کرتی۔ رسالے کتابوں میں سے اچھی اچھی چیزیں پڑھ کر سناتی۔ اُنھیں پھر بھی عائشہ کا خیال نہ بھولتا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں یاد کر کے روتیں۔ دل جلاتیں۔ اُس روز بھی ایسا ہی ہوا، سائمہ کو غصّہ آگیا۔ دل جلے انداز میں بولی۔

"بھئی امّی مجھے یہ باتیں پسند نہیں۔ ہر وقت ایک ہی ذکر۔ وہ آپ سے ملنے نہیں آسکتی کیا۔ یہاں سے کوئی نہیں گیا، لیکن کسی نے اُس کو تو منع نہیں کیا۔ ہر جگہ گھومتی پھرتی ہے۔ یہاں آنے میں کیا ہوتا ہے۔"

"ابّو کے ڈر سے نہیں آتی ہوگی۔"

"ایسا ہی اُسے ابّو کا ڈر تھا۔"

"سائمہ" وہ ناراض ہو کر بولیں۔

"عائشہ کو کچھ نہ کہو۔"

"آپ کی پیاری بیٹی جو ہے۔"

"تھی۔ اب کہاں۔"

"امّی میں بھی تو آپ کے پاس ہوں۔"

وہ اُداس ہوکر بولیں۔

"ٹھیک ہے"

"صحت خراب ہو رہی ہے آپ کی"

"کسی کو کیا پروا ہے میری صحت کی"

مجھے بھی نہیں کیا"

وہ کسی قدر لاپرواہی سے بولیں۔

"ٹھیک ہے ـــ تمھیں بھی مجبوری ہے"

"کیسی مجبوری"

"یہاں جو ہو ـــ کل کو کہیں چلی گئیں تو بات ختم۔ لڑکیاں بھی کہاں اپنی ہوتی ہیں"

سائمہ حیران ہوکر اُن کی صورت دیکھتی رہی۔ دل دُکھا۔ وہ اس انداز میں سوچتی ہیں اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اپنے کمرے میں واپس آکر وہ اُلجھن میں رہی۔ کسی کی کتنی بھی خدمت کر و کوئی صلہ نہیں۔ پیار تو نصیبوں سے ملتا ہے۔ بے انداز مصروفیت کی وجہ سے وہ بے تحاشا بور ہو گئی۔ کچھ امی کے لاتعلق رویّے نے دل اُچاٹ کر دیا۔ ایک دوست کی شادی تھی، پروگرام نہ ہونے کے باوجود وہ تیار ہو گئی۔ وقت سے کچھ پہلے ہی چل دی۔ وہاں خاصا ہنگامہ تھا۔ برقی لائٹس کی روشنیوں میں ہر کوئی چمک رہا تھا۔ یونیورسٹی کے بہت سے لوگ جمع تھے اور اُن میں شجاع اور صباحت بھی تھے۔ منصور خاصی دیر میں آیا۔ سائمہ سے رسمی سی بات چیت ہوئی۔ وہ ایسا اچھا لگ رہا تھا لیکن کچھ چپ چپ سا تھا۔ زیادہ باتیں نہیں کیں۔ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر لوگوں سے ملا نہیں کھانا کھاکر ہی وہ واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ شجاع اور صباحت کے اصرار پر بھی نہیں رُکا۔ چلتے ہوئے وہ وہیں بیٹھی سائمہ کی طرف مُڑا۔

"آپ کے پاس گاڑی ہے"

وہ ہچکچائی۔ آہستہ سے بولی

"نہیں"

"واپس جانے کا ارادہ نہیں کیا؟"

"تھوڑی دیر تک جاؤں گی۔"

"اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ چلیں میں ڈراپ کر دوں۔"

بات سُن کر صباحت اُس کی طرف مڑی۔

"ہاں سائرہ چلی جاؤ حرج کیا ہے۔ منصور تمھیں حفاظت سے پہنچا دے گا ہم لوگوں کو تو شاید ابھی دیر لگے۔"

سائرہ نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔ پھر مجبوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔ منصور کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُسے لئے لئے گاڑی کی طرف آ گیا۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ جلدی سے بولی۔

"میں پیچھے بیٹھوں گی۔"

وہ مسکراتا ہوا بولا

"محترمہ میں شوفر بننے کے لئے تیار نہیں۔"

وہ چپ کھڑی رہی۔ منصور نے آہستہ سے بازو کو چھوا۔

"ضد نہ کرو۔"

وہ اصرار کو بے فائدہ جان کر خاموشی سے کھلے دروازے میں سے اگلی سیٹ پر آ بیٹھی۔ منصور نے گاڑی سٹارٹ کی اور گیٹ سے نکال کر لے گیا۔ راہ میں کتنی ہی دیر خاموشی رہی۔ دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ منصور کسی سوچ میں کھویا گاڑی چلاتا رہا۔ سائرہ سر اُٹھائے بیٹھی سامنے دیکھتی رہی۔

"سائرہ بی بی۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ناراض معلوم ہوتی ہو۔"

"جی نہیں۔ میں بھلا کیوں ناراض ہوتی۔"

"خوش ہو؟"

"بس ٹھیک ہی ہے۔"

اُس نے ایک بار گردن موڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے مسکرا دیا۔

"ایک بات پوچھوں۔"

"دو پوچھ لو۔"

"اوہو اتنی مہربان ہو۔"

"مطلب کی بات کریں۔"

"ایسی اُکھڑی ہوئی کیوں ہو۔"

"ہمیشہ سے ہوں۔"

"لڑتی ہو؟"

وہ چُپ ہو رہی۔

"مجھے تمھاری اُس دن والی بات کا بہت افسوس ہوا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر تم سے معذرت بھی نہ کی گئی۔"

"میں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"اس کے علاوہ میں اور کچھ نہ کر سکتی تھی۔"

"میرے رویہ میں کوئی ایسی بات تھی جو قابلِ گرفت ہو۔"

"نہیں۔"

"میری کسی بات سے تمھیں تکلیف ہوئی؟"

"یہ بھی نہیں۔"

"پھر — دماغ چل گیا تھا؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"اب کیا حال ہے؟"

"فی الحال کوئی تبدیلی نہیں۔"

"مارے گئے۔ یہ بھی تمھارے کسی موڈ کا نتیجہ ہوگا۔ ذہن کی کوئی اختراع۔ یا ایسی ہی کوئی اور بات۔"

"آپ یہ سب باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

"سائمہ آج تمھیں ایک بات بتا دوں، میں بہت سنجیدہ ہوں۔ کوئی غیر ذمّہ دارانہ بات نہیں۔ بیاہ کرنا چاہتا ہوں تم سے۔"

سائمہ یہ بات سن کر چونکی۔ بے حد حیرت زدہ ہو کر اُس کی طرف دیکھا۔ چہرے پر انتہائی بے یقینی کی جھلک تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور کیا۔"

"مجھ سے" اُسے اب بھی اعتبار نہ آیا۔

"کیا بات کر رہے ہو؟"

"بڑی قدرتی سی بات ہے۔ اس میں ایسا حیران ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ تمھیں یہ پسند نہیں کہ میرے گھر میں آجاؤ۔ میری ہو کر رہو۔ تمھاری سوچیں مجھ تک محدود ہوں۔ کیوں!"

سائمہ نے لمبا سانس لیا۔

"مجھے بیاہ نہیں کرنا۔"

"نن بن جاؤ پھر"

"کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔"

وہ دبے انداز میں ہنس دیا۔

"جب تک آنگن میں بیری لگی ہو پتھر آتے ہی رہتے ہیں۔ دل میں یہ سوچ لینے سے کچھ نہ ہوگا کہ تم بیاہ نہ کرو گی۔ آخر ایک نہ ایک روز تو کسی کے ہاتھ میں اپنا آنچل دو گی ہی۔"

وہ ہنس پڑی۔ تلخی نمایاں تھی۔

"میلا آنچل کون تھام سکتا ہے۔"

"سائرہ۔ کیسی بات کرتی ہو۔ تم نے کیا کیا ہے جو ایسا سوچتی ہو۔ ضمیر کا وہ کون سا کانٹا ہے جو تمھیں تنگ کرتا رہتا ہے۔ جس کی چبھن تم سے ایسی باتیں کہلواتی ہے۔"

سائرہ نے غور سے اُسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے بیٹھا تھا۔ گہری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ پرکھ رہا تھا۔ وہ نظروں کے اس انداز سے پریشان ہو گئی۔ اُداس لہجے میں بولی۔

"کاش کوئی ایسا کانٹا ہوتا منصور۔ کم از کم مجھے کسی بات کا احساس تو نہ ہوتا۔ دوسروں کی غلطیوں کی چھاپ میرے چہرے پر آ گئی ہے۔"

"تم عائشہ کی بات کر رہی ہو۔"

"شاید"

"اس کا یہاں کیا ذکر۔ اُس نے کوئی بُری بات نہیں کی۔ ہر انسان اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔"

"بہرحال — مجھے تم سے ناطہ نہیں جوڑنا۔"

"سائرہ — یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔ مجھے پہچانو، میں منصور ہوں۔ ہم دونوں کے درمیان اتنی ذہنی وابستگی تھی اور ہے بھی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی تو نہیں۔ تم اتنی سمجھ دار ہو کر خود کو جھوٹے وقار پر قربان کر دوگی۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا رہی ہو۔"

"میں کچھ نہیں جانتی منصور۔ مجھے بس صرف اتنا یاد ہے کہ میرے امّی، ابّو کو ابھی زندہ رہنا ہے۔ اور سر اُٹھا کر جینا ہے انھیں۔ عائشہ کے بعد میں کوئی ایسی بات نہ کروں گی جس سے انھیں تکلیف ہو۔"

"اور اگر میں انھیں منا لوں تو۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"فرض کرو۔ وہ مان جائیں۔"

"میں تمھیں اس بات کی اجازت نہ دوں گی کہ تم ان سے کوئی ایسی بات کرو۔ وہ سوچیں گے مجھے دلچسپی ہے۔ میں کہلوا رہی ہوں اور بات وہیں پر آجاتی ہے کہنے اور کرنے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ گاڑی ایک طرف روک دی۔

"تو پھر کیا دیوار سے سر دے ماروں۔"

"اس موضوع ہی کو چھوڑ دو۔"

"سائرہ۔ مجھے بہرصورت تم سے بیاہ کرنا ہے۔ سمجھتی ہو خواہ وہ تمھارے گھر والوں کی رضامندی سے ہو نہ ہو۔"

سائرہ نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ منصور کی طرف دیکھا وہ چہرے پر کرختگی لئے بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ سائرہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ تیز لہجے میں بولی۔

"تمھیں یہ حق کس نے دیا؟"

"مجھے کچھ نہیں پتہ۔"

"اور تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ زبردستی کیا ہو سکتا ہے اگر میری مرضی نہ ہو۔"

"تمھاری مرضی نہیں کیا؟"

سائرہ چپ اُسے دیکھتی رہ گئی۔ کچھ نہ کہہ سکی۔

"تم خود نہیں چاہتی ہو کہ یہ بیاہ ہو۔"

اس نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔ سائرہ کی آنکھیں چھلک آئیں لیکن برداشت کئے بیٹھی رہی۔ منصور کا سختی سے جما یا زور پرے ہٹا دیا۔

"میں بہت کمزور ہوں منصور۔ لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"لوگ کون ہیں! زندگی تمھیں گزارنا ہے لوگوں نے تو نہیں۔ کسی کو تمھارے معاملات سے کیا۔ تم اپنے لئے جو کچھ کرو وہی بہتر ہے۔ گھر والوں کا حق بھی ہوتا ہے لیکن کسی حد تک۔ اُس سے زیادہ کی انھیں اجازت نہیں دی جا سکتی۔ رہ گئے وہ تمھارے فرسودہ رسم و رواج، تو مجھے تمھاری سمجھ داری پر افسوس ہے۔ بہت بنتی ہو۔ لیکن ہو دراصل بالکل بزدل۔ ناکارہ۔"

وہ لاچاری سے بولی۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

وہ تلملا کر بولا

"بات نہ کرو مجھ سے۔ میں تمھاری ان فضول باتوں سے بہت تنگ ہوں۔ تم اور تمھاری فیملی۔ بڑی دقیانوسیت۔ اِس صدی میں پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ چار صدیاں پہلے کا ذہن پایا ہے اور بنتے ہو بڑے ماڈرن ــ ہا...... بیہودہ قسم کی چیزیں ہو تم لوگ۔"

"بہت غصّہ آرہا ہے؟"

"جی نہیں۔ پیار آئے گا آپ کی ان باتوں پر"

سائمہ کو ہنسی آگئی

"میں نے تمھارا یہ موڈ کبھی نہیں دیکھا تھا"

"جی ہاں۔ دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں محترمہ"

"اور کیا کروں؟"

"رونے کا مقام ہے"

وہ چپ ہو گئی۔ سنجیدگی سے بولی

"منصور تم شادی کر لو"

"وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں"

"میرا مطلب ہے کہیں اور کر لو"

"آپ اپنی قیمتی رائے محفوظ ہی رکھیں"

"بُرائی کیا ہے"

"تمھاری سمجھ میں نہیں آسکتی" وہ ناراضگی سے بولا

"ٹھیک ہے تم اپنے گھر والوں کو خوش رکھو۔ اُن کی ناراضگی کی پرواکرو۔ لوگوں کی نظروں کا خیال کرو، کوئی تمھیں کیسے دیکھ رہا ہے، تمھارے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ اور اگر کوئی بُری بات ہے تو منہ چھپا کر گھر میں بند ہو جاؤ۔ کسی کا سامنا نہ کرو۔ اچھا"

سائمہ چُپ بیٹھی رہی۔ کچھ سوچتی رہی۔ گھڑی کی طرف نظر پڑی تو ایک دم سے چونک گئی۔ منصور کی طرف مڑ کر بولی۔

"پلیز منصور۔ دیر ہو گئی مجھے میرے گھر اُتار دو"

بچی تو نہیں ہو کہ ذرا سی دیر ہو گئی تو لوگ پریشان ہو جائیں گے۔"

"خیر یہ میرا اپنا معاملہ ہے تم نہیں سمجھتے ہو۔"

"ضرورت بھی نہیں مجھے۔"

"چلئے پھر"

منصور نے جھنجلا کر کار اسٹارٹ کر دی۔ بڑبڑاتا ہوا بولا

"ہمیشہ تمھاری مرضی ہی چلتی ہے۔"

راہ میں خاموشی رہی۔ منصور آہستہ آہستہ گاڑی چلاتا رہا۔ کسی سوچ میں کھویا رہا۔ ایک بار بھی مڑ کر سائرہ کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ گردن موڑے گاڑی کے شیشے سے باہر جھانکتی رہی، منصور کے احساسات کو محسوس کرتی رہی۔ اپنی مجبوریوں کے متعلق سوچ کر دکھی ہوتی رہی، یہ کیسی زنجیریں ہیں جن میں گھری وہ خود کو اتنا بے بس محسوس کرتی ہے۔ ہاتھ تک ہلانے کی سکت خود میں نہیں پاتی۔

منصور میں کوئی برائی نہیں تھی۔ یا کم از کم اُسے محسوس نہ ہوتی تھی۔ اُس کی کتنی ہی ایسی خوبیاں تھیں جن کی وہ دل سے مداح تھی۔ کتنی ہی ایسی باتیں تھیں جو اُسے پسند ضرور تھیں لیکن جن کا اظہار وہ نہ کر پاتی تھی۔ اُس کے پاس بیٹھ کر ہمیشہ ہی انجانی سی خوشی محسوس ہوئی، سکون کا سا احساس ہوا۔ اُس کی پسند کو بھی اُس نے بارہا محسوس کیا تھا لیکن یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ وہ اتنا سنجیدہ ہو جائے گا۔ کسی اور انداز میں سوچنے لگے گا۔ یہ بندھن ہمیشہ کے لئے چاہے گا۔

سوچوں میں گھرے گھرے گھر آگیا۔ گاڑی گیٹ کی راہ اندر داخل ہوئی تو سائرہ کو ہوش آیا۔ منصور کی طرف دیکھا۔ وہ چہرے پر سختی لئے بیٹھا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا اُترنے سے پہلے بولی۔

"اچھا۔ منصور شکریہ۔"

"تکلف میں نہ پڑا کرو" وہ بُرا منہ بنائے بولا۔
"اور میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کرنا۔ میں پھر بات کروں گا"
سائمہ نے ایک بار غور سے اُس کی طرف دیکھا۔ آہستہ سے کہنے لگی۔
"نہیں منصور۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ چکی"
"عقل مندی کا مظاہرہ کیا کرو"
"خدا حافظ"

وہ چپ چاپ نیچے اُتر آئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ یونہی دونوں ہاتھ سٹیرنگ پر ٹکائے بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔ سائمہ کی بات کا اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پیشانی پر شکن لئے سوچتا رہا۔ پھر گاڑی سٹارٹ کی اور ایک دم ہی تیز رفتاری سے نکال لے گیا۔ سائمہ وہیں سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ جاتے ہوئے منصور نے اُس کی طرف نہیں دیکھا۔ خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ سائمہ کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور پیشانی پر پسینے کے قطرے۔ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ دل دھڑک دھڑک کر پریشان کرتا رہا۔ کچھ کہتا رہا۔

"وہ تم سے ناراض ہے"

دل کی اس سرگوشی پر اُس نے کان بند کرنے کی کوشش کی۔ منصور کی آج کی باتوں کے متعلق سبھی کچھ بھول جانا چاہا۔ تھکے تھکے قدموں سے دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ گیلری کی چھوٹی سی لائٹ روشن تھی۔ اُس نے لمبا سانس لیا۔

"پھر وہی تنہائی"

وہ آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

امّی کی طبیعت پہلے سے کچھ بہتر تھی۔ سائمہ اکثر ہی انھیں گھمانے پھرانے لے جاتی۔ کہیں تھوڑی سی چہل قدمی کر لیتیں۔ اُس روز وہ پہلے سے بہت اچھا محسوس کر رہی تھیں۔ بخار بھی نہیں تھا، کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔ سائمہ انھیں بھی اپنے ساتھ ہی کھینچ لائی۔ کچھ خریدا اور کچھ گھوم پھر کر یونہی چیزیں دیکھیں۔ واپسی میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ باہر آ رہی تھیں۔ اُسی وقت ہی ہارن دیتی ہوئی ایک کار کو راستہ دینے کے لئے سائمہ رُک گئی۔ گاڑی ذرا سا آگے نکلی اور پھر ایک دم سے ہی رُک گئی۔ اُسی وقت ہی سائمہ نے عائشہ کو گاڑی سے اُترتے ہوئے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ امّی کے گلے سے لپٹی ہوئی تھی۔ سائمہ خاموش ایک طرف رہی۔

"امّی آپ اتنی کمزور ہو گئیں"

"تم کیسی رہیں۔ موٹی ہو رہی ہو"

وہ سُرخ سی ہو گئی۔ ذرا سا شرما گئی۔

"ہاں امّی وہ تو ہے ہی"

امّی کا سارا غصّہ ڈھل گیا لگتا تھا۔ پیار سے اُسے دیکھا۔ پھر فکرمند ہو کر بولیں۔

اِن دنوں میں اپنا خیال رکھا کرو۔"
عائشہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"چلئے کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"
امّی سائرہ کی طرف مڑیں۔ پوچھنے لگیں۔
"کیوں سائرہ۔"

وہ مسکرا دی۔ پہلے امّی کے خوش باش چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر عائشہ کی طرف۔ سارے گلے شکوے جیسے بھول چکے ہوں۔ دونوں ہی خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"
امّی نے خود ہی کچھ سوچا۔ عائشہ سے بولیں۔
"اس وقت تو دیر ہو گئی ہے۔ تمھارے ابّو آ گئے ہوں گے۔ تم کسی وقت گھر آؤ۔ اطمینان سے بیٹھو۔" وہ شکایتی انداز میں بولیں۔
"تم تو جیسے گھر کا راستہ ہی بھول گئیں۔"
"نہیں امّی۔" عائشہ چپ سی ہو گئی۔
"تمہیں آپ اور ابّو کے ڈر سے نہیں آئی۔"
وہ لمبا سانس لے کر بولیں۔
"بچّے خواہ کتنی ہی بیوقوفیاں کریں بڑوں کو ہی ہمیشہ معاف کرنا پڑتا ہے۔"
عائشہ اُن سے لپٹ گئی۔ کتنے ہی آنسو اُس کی آنکھوں میں چلے آئے بمشکل ضبط کیا۔ بس نہ تھا کہ وہیں رستے میں ہی رو پڑتی۔ امّی واپس آئیں تو خوش تھیں۔ سائرہ

نے اتنی مُدت کے بعد پہلی بار اُنھیں ایسا خوش دیکھا تھا اور اُس وقت اُسے احساس ہوا کہ اُنھیں عائشہ سے کتنا پیار تھا۔ اُس کی ہر خطا وہ معاف کر سکتی تھیں۔ اُسی کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر ایک دم سے پوچھنے لگیں۔

" فواد اس کے ساتھ نہ تھا۔ اکیلی تھی "

" مصروف ہوگا وہ "

" ایسی بھی کیا مصروفیت۔ اِن دنوں میں تو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اور پھر عائشہ تو بچی ہے۔ اُسے کسی بات کا کیا پتہ۔ اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتی ہوگی، ہمیشہ کی طرح "

سائرہ کچھ نہ بولی۔ دل میں ہنسی آگئی۔ سوچا اب ایسی بھی تو بچی نہیں۔ اور اب تو کچھ اور بھی سمجھ دار ہو گئی ہے۔

" عائشہ خوش معلوم ہوتی تھی "

" ہاں۔ اب تو خوش ہی رہے "

انھوں نے بڑے خلوص سے اُسے دعا دی۔

اور پھر ایک شام عائشہ بھی آ گئی۔ بہت سادہ سے کپڑوں میں ملبوس ہونے کے باوجود اچھی لگ رہی تھی۔ گالوں میں ہلکی سی سُرخی جھلک رہی تھی۔ امی سے گھُل مل کر باتیں کرتی رہی۔ سائرہ چائے دیکھنے کے لئے چل دی تو وہ امی سے آہستہ سے بولی۔

" اب دیدی کا بیاہ بھی کر دیں "

وہ عائشہ کی بات سُن کر چونک پڑیں کچھ جواب نہ دیا۔ چُپ بیٹھی رہیں۔

"کیا دیدی نہیں مانتی؟"

"عائشہ" وہ کسی سوچ میں کھوئی ہوئی بولیں۔

"تمہارے بیاہ کے بعد سائمہ بجھ سی گئی ہے۔ کہیں زیادہ آتی جاتی نہیں۔ برادری کے لوگ پتہ نہیں کیسی کیسی باتیں سوچتے ہیں۔ یوں بھی کوئی اچھا لڑکا نہیں۔ جو کوئی ایک آدھ ہو بھی تو تمھاری بات کے بعد وہ ہم سے ناطہ جوڑنا نہیں چاہتے۔"

"ابّو کا کیا خیال ہے؟"

"پریشان ہیں کیا کریں۔ کم از کم ایک لڑکی تو اپنی مرضی اور پسند سے بیاہنا چاہتے ہوں گے۔ اب عمران باہر گیا ہے۔ ہے تو سمجھدار لیکن کچھ پتہ نہیں وہ آکر کیا خبر دیتا ہے۔ کہیں جہاز سے اُترے تو ساتھ کوئی دُم چھلاّ ہو۔ اب میں تو ہر خبر کے لئے تیار ہو گئی ہوں۔ آخر تو زندہ رہنا ہے۔"

"امّی لوگوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔"

"کیا کروں۔" وہ دُکھ سے بولیں۔

"سائمہ کی وجہ سے پریشان ہوں۔ اُس کی سی لڑکی کے متعلق لوگ کسی اور انداز میں سوچتے ہیں۔ صرف تمھاری وجہ سے۔"

عائشہ کے چہرے پر ہلکی سی زردی آگئی۔

"مجھے افسوس ہے امّی۔ لیکن کیا ہو سکتا ہے۔ ثمو دیدی کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

"پتہ نہیں۔ زبان ہی نہیں کھولتی۔"

سائمہ چائے لئے آگئی، موضوع بدل گیا۔ لیکن اِس عرصہ میں امّی خاموش ہی رہیں۔ بار بار سائمہ کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے اُٹھ کر چلی گئیں۔ عائشہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہی تھی۔ یونیورسٹی کی خیریت پوچھ رہی تھی، اور یونیورسٹی کے ساتھ ہی اُسے کچھ اور یاد آگیا۔

"دیدی وہ منصور کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"ملاقات ہوئی؟"

"پچھلے دنوں ہوئی۔ ایک شادی میں شجاع بھی تھا اور صباحت بھی۔ خاصی گپ شپ رہی۔"

"بیاہ کیوں نہیں کر لیتی ہو؟"

وہ چونکی پھر سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیا مطلب!"

"بھئی اب تمھیں بیاہ کر لینا چاہیئے۔"

"اب کیا ہوا؟"

"ٹھیک ہے۔ اور کتنی دیر یونہی آزاد گھومو گی۔ امّی ابّو کی ذمہ داریاں کم ہوں۔ کچھ انھیں بھی اطمینان ہو۔"

"میری وجہ سے انھیں کچھ بے اطمینانی نہیں۔"

"دیدی منصور کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"کیسا خیال؟"

عائشہ اُس کی حیرت پر مسکرا دی۔

"آدمی بُرا نہیں۔"

سائمہ کے ماتھے پر شکن آ گئی۔ ناگواری سے بولی

"فضول باتیں نہ کیا کرو عائشہ۔ تمھیں معلوم ہے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"حرج کیا ہے۔"

"وہی جو تمھاری دفعہ تھا۔"

عائشہ بے ساختہ سے ہنس پڑی۔

"ارے دیدی۔ بڑی بھولی ہو۔ اب اور تب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تب وہ سب کچھ ناممکن تھا۔ میں نے راہ کے سارے روڑے پتھر ہٹا دیئے۔ اب تو حدِ نظر تک کوئی رُکاوٹ ہی نہیں۔ جو جی میں آئے کرو۔ اب تو بزرگ بھی بُرا نہ منائیں گے۔ قسم جو ٹوٹ گئی۔ اور یہ روایتیں تو اسی طرح ختم ہوتی ہیں۔ تم تو بہت خوش نصیب ہو۔ جو لعن طعن تھی وہ اپنے مقدر میں تھی۔ تمھارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔"

"ارے عائشہ بی بی" سائمہ مسکرا دی۔

"تمھیں نہیں معلوم لوگ میرے متعلق کیا کیا سوچنے لگے ہیں۔"

"اور تم پروا کرتی ہو۔"

"نہ کروں۔"

"بالکل نہ کرو۔ لوگ تو تماشہ دیکھتے ہیں۔ کس کس بات کی پروا کرو گی۔ زندگی تمھیں گزارنی ہے۔ اس کے متعلق تمھیں سوچنا ہو گا خود فیصلہ کرنا ہو گا۔"

سائمہ نے پلکیں جھپکائیں۔

"بہت سمجھدار ہو گئی ہو۔"

"تم سے زیادہ نہیں۔ لیکن یہ نہ بھولو کہ عملی تجربہ میں میں تم سے آگے ہوں مشورہ لیا کرو اپنا۔"

سائمہ ہنس پڑی۔

"مسخرے پن پر اُتر آئی ہو۔"

"سچ دیدی۔ اپنے لئے خود فیصلہ کرو۔"

"میں نہیں کر سکتی۔"

عائشہ ہنس دی، کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔

"دوسروں کی طرف دیکھو گی۔ وہ تمھارے دامن میں کچھ ڈال دیں بُرا بھلا قبول کر لو گی کیا۔"

بعض معاملات میں دوسروں کو ہی فیصلے کرنے چاہئیں۔

"پچھتاؤ گی۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔"

"سُنو دیدی ایک بات بتاؤں۔ بیاہ کرو تو اپنے پسند کے ساتھی سے۔ ورنہ نہ بھی کرو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یہ تمھاری سوچ ہے نا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ کبھی یاد کرو گی۔"

"خیر۔ میں نے سوچا نہیں اس موضوع پر۔"

"صباحت نے یہاں کا چکر نہیں لگایا؟"

"کیوں!" سائمہ نے ابرو اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"کوئی خاص بات تھی کیا؟"

"یونہی۔ اُمید تو تھی مجھے؟"

"بہت سی باتیں خلاف اُمید اور خلاف توقع بھی ہوتی ہیں۔ خیر چھوڑو مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ اِس موضوع پر پھر کبھی بات ہوگی۔ سنا تھا تم لوگ کہیں باہر جا رہے ہو؟"

"ہاں پروگرام تھا تو لیکن گڑبڑ ہو گیا۔ اِس مصیبت کی وجہ سے؟"

وہ اپنی طرف دیکھ کر ہنسی۔ ذرا سا سُرخ ہو گئی۔

"خیر۔ اس کے بعد سہی؟"

عائشہ تو چلی گئی، لیکن سائمہ کو سوچ میں ڈال گئی۔ اُس کی باتیں رہ رہ کر یاد آتی رہیں۔ پریشان کرتی رہیں۔ کیا پتہ اُس نے امّی سے بات کی ہو۔ منصور کا ذکر بھی ہوا ہو۔ نہ معلوم انھوں نے کیا سوچا ہو گا۔ سامنا کرتے ہوئے پشیمانی ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ چور بنے اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔

دو ایک روز اُسے حجاب سا رہا۔ کوئی اور ہوتا تو پروا بھی نہ کرتا ایک وہ تھی کہ دل ہی دل میں سوچ کر گھٹی جا رہی تھی۔ شام کو ملازم کو ساتھ لے کر ٹہلنے کے لئے چلی گئی۔ سردی ہو رہی تھی۔ اُس نے لمبا کوٹ پہن لیا۔ ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے چل دی۔ گھر سے کچھ دُور ہی گئی تھی کہ ایک کار کی تیز روشنیاں اُس پر پڑیں اور پھر کار ہلکی ہو گئی۔ سائمہ ٹھٹک کر رُک گئی۔ حیران ہو کر دیکھا وہ منصور تھا۔ اُسے دیکھ کر کار سے اُتر آیا۔

"سائرہ تم۔ کہاں کی سیر ہو رہی ہیں"

"بور ہو گئی تھی سوچا ذرا ٹہلنے چلی جاؤں"

"میں ساتھ آسکتا ہوں"

وہ چپ رہی۔ وہ پھر کہنے لگا۔

"یا پھر دوسری صورت میں تم گاڑی میں آجاؤ"

"نہیں"

وہ گاڑی بند کرتے ہوئے اتر آیا۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے ذرا دور تک چلتے ہیں۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں"

سائرہ جھجک سی گئی، پریشان ہو گئی۔ ایک بار منصور کی طرف دیکھا۔ سہم کر کچھ اور سوچنے لگی۔ کتنا ہی راستہ خاموشی میں کٹ گیا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں کھوئے ہوئے تھے۔ خاصی دیر کے بعد منصور اس کی طرف مڑا۔

"سائرہ — تم نے اس بات پر غور کیا"

وہ اسی بات سے ڈر رہی تھی، یہی جواب نہ دینا چاہتی تھی، اور وہی ہوا منصور سے جتنا بچنے کی کوشش کی اس کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اب وہ پوچھ رہا تھا بڑی پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سائرہ کا دل دھڑک دھڑک کر پریشان کرنے لگا۔

"جواب بھی نہ دوگی"

"کیا کہوں —!"

"سب ختم ہو گیا کیا"

"میں نے جو کہنا تھا کہہ چکی"

"اتنی ضدی کیوں ہو"

"وہ تو ہوں"

"کوئی اچھی بات نہیں"

"معلوم ہے مجھے"

"پھر بھی ایسا کرتی ہو"

"میں کہہ چکی ہوں۔ اتنی کمزور ہوں کہ کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی"

"مجھے تو اجازت دے سکتی ہو۔ تمہاری جگہ میں لڑوں گا"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں اپنی اوقات پہچانتی ہوں"

"سائمہ" اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ اتنی گہرائی تھی لہجہ میں چھپی ہلکی سی یاسیت نمایاں ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں چھپا خلوص صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"تم میری تمنا ہو سائمہ۔ میری منزل ہو"

وہ جلدی سے مڑی۔ ذرا سا پاؤں پھسلا لیکن سنبھل گئی۔ مڑ کر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ کیسی بات تھی اسے کس نے کہا تھا وہ یوں سر راہ اپنے جذبے کا اظہار کرتا پھرے۔ یہ بات اسے حیران کر گئی تھی۔ کچھ دیر چپ رہی پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"منصور تم نے غلط سوچا۔ میں تمہاری منزل نہیں۔ اس راہ پر چل کر تم کبھی بھی اپنی منزل تک نہ پہنچ پاؤ گے۔ بھٹکتے رہو گے اور مجھ میں ہی کیا رکھا ہے۔ مجھ سے بہتر اتنی لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی چن لو"

"آخر تم بھی تو کبھی فیصلہ کرو گی"

وہ کڑوے انداز میں ہنس پڑی۔

"اس معاشرے میں لڑکیوں کو اپنا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ملا ابھی تک۔ ان کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"

"عائشہ بھی تو لڑکی تھی"

"اُسے اپنی بہادری کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ اور پھر عائشہ کی سی لڑکیاں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ میں اُس کی سی بہادر نہیں"

"تم دوسروں کے فیصلے پر سر جھکا دو گی"

"حرج بھی کیا ہے اس میں"

"تم میں اور ایک بے زبان لڑکی میں کیا فرق ہے"

وہ سنجیدگی سے بولی۔

"منصور میں نے جو کہنا تھا کہہ چکی۔ ہمارے راستے الگ ہیں۔ مجھے اب ملنے کی کوشش نہ کریں۔ میں سکون سے زندہ رہنا چاہتی ہوں"

وہ لمبا سانس لے کر بولا۔

"بہرحال اس میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی ہم ملے تو میں اپنی اس محبت کو ضرور دہراؤں گا۔ تب سے یہی کہوں گا۔ کبھی میری ضرورت ہو تو بلا تکلف بُلا لینا۔ میرے بس میں جو کچھ ہوا تمھارے لئے کرنے سے دریغ نہ کروں گا"

وہ پوری آنکھیں کھولے خاموشی سے کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے شانوں کو

دیکھ کر اتنی پشیمانی ہوئی۔ اور وہ لمحہ زندگی کا نازک لمحہ تھا۔ اُس کا فیصلہ ڈانواں ڈول ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند کر کے سوچا سائمہ بی بی قدر کرنے والے کہاں ملتے ہیں۔ چاہتی ہے تو زندگی کی خوشیاں سمیٹ لے۔ اپنے دامن میں بھر لے۔ ورنہ تو وہی خار دار راہیں ہیں جن پر تو اکیلی چلی جائے گی۔

اُس نے آنکھیں کھولیں تو پلکیں گیلی ہو رہی تھیں۔ ایک بار منصور کی طرف دیکھا۔ اچانک ہی نظر ذرا فاصلے پر کھڑے ملازم پر چلی گئی۔ ایک دم سے ہی اُسے سب کچھ یاد آ گیا۔ امی اُس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ خبر نہیں اُن کی طبیعت کیسی ہو۔ ابو اپنے کام سے واپس آ گئے ہوں گے۔ اُس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کر لیں۔

"واپس چلیں" وہ آہستہ سے اپنے آپ سے بولی۔

"بہت دیر ہو گئی"

منصور نے کچھ نہیں کہا، بوجھل قدم اُٹھاتا ہوا اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ سوچ میں کھویا گم صُم سا اپنے ہی قدموں پر نظریں جمائے چلتا رہا۔ اُس کی گاڑی آ چکی تھی۔ وہ سائمہ کی طرف مڑا۔

"تمہیں گھر تک پہنچا دوں"

"نہیں شکریہ" وہ جلدی میں بولی۔

"خود ہی چلی جاؤں گی"

"بہت جلد اجنبی ہو جاتی ہو"

اُس نے اُس کی آواز میں چھپی یاسیت کو محسوس کیا۔

"امی انتظار کر رہی ہوں گی"
وہ جھنجھلا سا گیا
"کسی وقت امی کے علاوہ بھی بات کیا کرو"
صائمہ نے حیران ہو کر اُسے دیکھا
"اور کس کی بات کروں"
"مجھے افسوس ہے۔ ایسی بات نہ کہنی چاہیئے تھی"
"آپ کو اتنی جلدی غصّہ کیوں آ جاتا ہے"
"جی نہیں" وہ دل جلے انداز میں بولا
"خوش ہونا چاہیئے"
"جائیے پھر۔ آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں کون کون انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ سب، جن کے دامن سے آپ ہمیشہ سے بندھی چلی آ رہی ہیں اور رہنا چاہتی ہیں"
"منصور مجھے دُکھ ہے لیکن میں کچھ نہیں کر سکتی"
"میں جانتا تھا"
"پھر تو کچھ ایسا صدمہ نہ ہوا ہوگا"
"ہو بھی تو تمھیں کیا"
صائمہ نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔
"جاتے ہوئے لڑا نہیں کرتے۔ اچھا خدا حافظ"
منصور نے جواب نہیں دیا۔ یونہی کھڑا رہا۔ صائمہ آہستہ آہستہ چلتی گئی۔ قدم بوجھل ہو رہے تھے بمشکل چل پائی۔ منصور کی نظروں کا احساس ستا رہا تھا۔

وہ دیکھ رہا ہوگا سوچ رہا ہوگا۔ اُسے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ گاڑی سٹارٹ نہ ہوئی تھی۔ اُسے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ یہ جا کیوں نہیں رہا۔ کیا سوچ رہا ہے۔ میں لوٹ آؤں گی بھلا۔ اُسے ناراض دیکھ کر منا لوں گی۔ ایسا ہو سکتا تھا اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا۔ وہ جو میری طرح بزدل نہ ہو۔ کچھ کر سکے، اپنے لئے سوچ سکے۔ پہلی بار اُسے ندامت ہوئی۔ ڈرتے ڈرتے پیچھے مڑ کر دیکھا، ملازم ذرا فاصلے پر چلا آرہا تھا اور اُس سے بہت دُور دھندلکے میں [illegible] ور کھڑا تھا۔ ایک پرچھائیں کی طرح بے حس و حرکت دیکھ کر اُس کا دل ڈوب اُٹھا۔

"میں کیا کروں"

وہ اُلجھن میں جیسے اپنے آپ سے بولی۔ گھر نزدیک آرہا تھا۔ اُس نے لمبا سانس لیا۔ پیشانی پر آیا پسینہ پونچھ لیا اور تیز تیز قدموں سے چل دی۔

پھر کتنا ہی عرصہ گزر گیا، زندگی یونہی چلتی رہی گاڑی پر۔ صبح و شام کا کولہو چلتا رہا۔ مصروفیات کا عالم وہی تھا۔ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کوئی نیا پن نہ تھا۔ ان مصروفیات میں سے چند لمحے بچتے تو سائرہ کو سوچیں گھیر لیتیں۔ بہت سے خیال ستانے لگتے۔ منصور کی باتیں یاد آتیں۔ اس کا وہ انداز، وہ بجھا بجھا سا لہجہ۔ ہر بات جیسے کل ہی ہوئی ہو۔

اس عرصہ میں پھر اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ پہلے چند روز تو سائرہ کو انتظار سا رہا۔ یوں لگتا وہ کسی وقت بھی آ جائے گا۔ ہر آہٹ پر اس کا گمان ہوتا۔ دل دھڑک اٹھتا لیکن وہ نہیں آیا، کسی دعوت یا پارٹی میں سامنا نہیں ہوا۔ سائرہ کو کمی کا سا احساس ہوتا اور اس احساس کو زائل کرنے کے لئے وہ خود کو بہت مصروف رکھنے کی کوشش کرتی۔ اتنی مصروفیت۔ جان بوجھ کر اتنا کام کہ وہ خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا دیتی۔ رات کو لیٹتی تو تجزیہ اور سوچنے کی مہلت ہی نہ ملتی۔ پڑتے ہی سو جاتی۔

عائشہ کا گھر میں آنا جانا کسی حد تک شروع ہو گیا تھا۔ چوری چھپے امی سے

ملنے چلی آتی۔ باتیں کرتی چائے پیتی اور ابو کے آنے سے پہلے پہلے چل دیتی۔ اُن کا منّا کہنے کی جرأت ابھی تک نہ ہو سکی تھی۔ فواد کبھی نہیں آیا۔ امّی نے دو ایک بار کہا بھی لیکن وہ ٹال گئی۔ موضوع ہی بدل دیا۔ اُن کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ بعد میں سائرہ سے کہنے لگی۔

"امّی بڑی بھولی ہیں۔ بھلا فواد بن بُلائے کیسے آنے لگا۔"

سائرہ ہنس دی۔

"تمھارے کہنے سے بھی نہیں۔"

"میں ایسی بات کہوں ہی کیوں۔"

"ہو عقلمند"

"ذرّہ نوازی ہے آپ کی۔"

عائشہ کبھی کبھار یونیورسٹی بھی سائرہ سے ملنے چلی آتی۔ کتنی دیر تک بیٹھی رہتی۔ اپنے چھوٹے چھوٹے کام کرتی رہتی باتیں کرتیں۔ چائے پیتی۔ ایک بار فواد بھی ہمراہ آگیا، ہمیشہ کی طرح تھا۔ سائرہ کو اچھا لگا۔ اُس نے گلہ کیا۔

"کیسی بہن ہیں کبھی گھر نہیں آئیں۔"

"ضرور آؤں گی۔"

"زبانی جمع خرچ کا کام" عائشہ ہنس پڑی۔

"وعدہ کر دو دیدی۔"

وہ بھی مسکرا دی

"بھئی وعدوں میں کیا رکھا ہے۔ کہہ جو دیا۔"

"آپ بھی تو کبھی نہیں آئے۔"

"کبھی بلایا ہی نہیں کسی نے۔"

وہ چپ سی ہو گئی۔ اب بھلا اس کی بات کا جواب ہی کیا تھا، وہ اپنے طور پر تو بلانے سے رہی۔ طوفان نہ کھڑا ہو جاتا۔ ابو نے بیاہ کر دیا یہی بہت تھا۔ اس کے بعد سے لاتعلق ہی ہو گئے۔ بھول ہی گئے کہ اُن کی بیٹی عائشہ بھی تھی۔

"ریحان اور سوزین دو ایک بار آئے ہیں۔"

"عائشہ نے بتایا تھا۔"

"آپ کے کیا پروگرام ہیں۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"فی الحال کچھ نہیں۔ پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"بڑا نیک خیال ہے۔"

عائشہ کہنے لگی

"ثمو دیدی، کیوں وقت ضائع کر رہی ہو اپنا۔ کسی مفید کام میں لگاؤ۔ اتنا زیادہ پڑھ کر کیا کرو گی۔ یہ ڈگریاں بعد میں کس کام آتی ہیں۔ شوکیس کی زینت بن جاتی ہیں یہ تو۔"

"پڑھائی کبھی ضائع نہیں جاتی بنّو۔"

"کوئی ضرورت بھی تو ہو۔" وہ پھر بولی "یا یہ کہ یوں ہی گھومنے پھرنے کا شوق چرایا ہے۔ عمران بھائی بھی تو ہیں وہاں۔ رہو گی فائدہ میں۔ دونوں مل کر خوب عیش کرنا۔"

"تمھیں عمران کی عادت کا تو پتہ ہی ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔

"اور اس سے زیادہ آپ کی عادتوں کا علم ہے۔ ایسا کتابوں پر جھکیں گی کہ ختم کرکے ہی دم لیں۔"

"عمران تمھیں پوچھتا ہے۔"

"ایڈریس دینا۔ خط لکھوں گی۔"

"بہت مصروف ہے۔"

"اور حالات کیسے ہیں۔"

"کچھ ایسے خوشگوار نہیں۔ انشاءاللہ خالی ہاتھ ہی واپس آئے گا۔"

سائرہ انھیں گاڑی تک چھوڑنے باہر گئی، واپس آرہی تھی کہ برآمدے میں دوسری طرف سے آتا ہوا شجاع مل گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ ذرا سا مسکرایا۔

"کہاں رہتی ہو بی بی آج کل۔ مدتیں گزر گئیں تمھاری صورت ہی نظر نہیں آئی۔ اور جب تک میں خود نہ بلاؤں تم تو سلام تک کی روادار نہیں ہوتی ہو — کیوں۔"

وہ بھی جواباً مسکرا دی۔

"میری یہ مجال کہاں۔"

"اور سناؤ کیا حال ہے۔"

"اچھی ہوں شکریہ۔"

"آؤ تمھیں چائے پلوائیں۔"

"پھر کبھی سہی۔ ابھی پی کر آرہی ہوں۔"

لیکن وہ اس کے انکار پر نہ مانا۔ زبردستی لئے لئے کمرے میں چلا آیا۔ چائے بنی رکھی تھی، سائمہ نے پیالیوں میں انڈیلی۔ ایک کپ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"اور لوگ کیسے ہیں؟"

"سبھی اچھے ہیں؟"

اس کا اتنا دل چاہا منصور کے متعلق پوچھے اُس کی خیریت دریافت کرے لیکن ہمت نہ ہوئی۔ یوں پوچھتے ہوئے کچھ اچھا بھی نہ لگا۔

وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ سائمہ کے گھر والوں کا پوچھتا رہا۔ ابّو کی معروفیت امی کی بیماری اور عمران کے جانے تک کا ذکر ہوا۔ عمران کے ذکر پر جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ پیشانی پر ایک شکن لئے بولا۔

"منصور باہر جا رہا ہے؟"

سائمہ کو ایسا عجیب سا لگا۔ منصور کے متعلق وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کہیں دُور دیس چلا جائے گا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی جھلک آئی۔ جلدی سے پوچھنے لگی۔

"کیوں جا رہے ہیں؟"

"معلوم نہیں۔ کہتا ہے یہاں دل نہیں لگتا۔ یکسانیت سے بور ہو گیا ہوں کہیں اور قسمت آزمائی کروں؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

وہ آہستہ سے بولا

"فی الحال تو چھٹی پر جا رہا ہے۔ پھر اگر وہاں جاب مل گئی تو شاید وہیں رہ جائے؟"

وہ پریشانی سے بولی۔

"اور آپ لوگ مان گئے"

وہ لاپرواہی سے بولا

"بھئی ضدی آدمی ہے۔ کون اُس سے اُلجھے"

"سمجھایا ہوتا۔ وہاں جاکر کیا ملے گا"

"تم سمجھالو"

سائرہ نے سر اُٹھا کر دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ اُس کا مذاق سمجھ کر وہ بھی مسکرادی۔ پوچھنے لگی۔

"کب جا رہے ہیں"

"اسی ماہ کی بیس تاریخ کو"

"ایسی جلدی کیا تھی"

"انتظام ہو گیا تو چل دئے۔ اُس کی عادتیں ایسی ہی ہیں۔ اور ہاں ایک بات پوچھوں، تمھارا اُس کا جھگڑا ہو گیا ہے کسی بات پر۔ کئی بار میں نے یہاں آنے کو کہا لیکن انکار کر گیا کہ اب یونیورسٹی آنے کو دل نہیں چاہتا"

"اب کیا ہوا"

"پتہ نہیں" وہ کندھے جھٹک کر بولا

"میں نے سمجھا تم سے کوئی جھگڑا ہو گیا"

اُس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں"

"خیر" شجاع نے اور کچھ نہ کہا اپنے لئے پیالی میں اور چائے اُنڈیلنے لگا۔ سائرہ

یونہی چُپ بیٹھی رہی۔

واپس آکر ایسا افسوس ہوا یہ منصور کو کیا سوجھی۔ اپنا دیس چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت۔ ایسا احساس تو وہ کبھی بھی نہ تھا کہ یہ قدم اُٹھاتا۔ پتہ نہیں کیا ہوا۔ سوچ سوچ کر اُس کا بُرا حال ہوگیا۔ خود پر غصّہ آیا۔ غیر ارادی طور پر ہی منصور کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے کوئی بولا۔ ملازم تھا شاید۔ سائمہ نے منصور کا پوچھا۔ چند ہی لمحوں بعد اُس کی مخصوص آواز سنائی دی۔ بھاری سا لہجہ۔ سائمہ باوجود کوشش کے بول نہ سکی۔ چند سیکنڈ تک رسیور ہاتھ میں ہی تھامے کھڑی رہی۔ وہ ایک دو بار بولا پھر سلسلہ ختم ہوگیا۔

بیس تاریخ تک کتنی ہی بار اُس نے ٹیلیفون کیا اور بغیر بولے رسیور ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ اُس کی آواز محسوس کرتی رہی۔ یہ آواز چند ہی دنوں میں کتنی دُور چلی جائیگی۔ اس کے متعلق یہ سوچتی رہی۔

اُس کے جانے سے ایک روز پہلے صبح ہی صبح اُس نے فون کیا۔ بہت دیر تک گھنٹی بجتی رہی۔ وہ بولا ایک دو بار ہیلو کہا۔ وہ چُپ رہی تو آہستہ سے ہنسا۔ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"بھئی جو کوئی ہے۔ بولے بھی"

وہ پھر بھی چُپ ہی رہی۔

"بولتے ہوئے ڈر لگتا ہے"

سائمہ کو یوں لگا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ پسینہ آگیا جلدی سے رسیور ہاتھ سے نیچے رکھ دیا۔ پاس ہی پڑی کرسی پر بیٹھی لمبے سانس لیتی رہی اور اُس روز دوپہر

کو جب اُسے منصور کے آنے کی ذرہ بھر اُمید نہ تھی وہ چلا آیا۔ پہلے سے کچھ اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ تھوڑا سا دُبلا بھی ہو رہا تھا۔ سائمہ اُسے دیکھ کر ہیلی پڑ گئی۔ بہت تکلّف سے اُسے بیٹھنے کو کہا۔

"بھئی جا رہا تھا اس لئے چلا آیا۔ تم سے ملے بغیر جانے کو دل نہ چاہا۔ پھر نہ معلوم واپسی کب تک ہو۔ تم کہاں چلی جاؤ۔ حالات کیسے ہوں؟"

وہ ایک ہی سانس میں اتنی ساری باتیں کہہ گیا۔ سائمہ نظریں جُھکائے بیٹھی تھی۔ آہستہ سے بولی۔

"یہ ایک دم پروگرام کیوں بن گیا؟"

"بس کچھ یہاں دل نہیں لگتا اب"

وہ چپ ہو گئی کُریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

"کس وقت پلین جاتا ہے؟"

"چار بجے ۔۔۔ آؤ گی؟"

سائمہ نے اُس کی سوالیہ نظریں دیکھیں۔ چہرے پر پھیلی ہلکی سی اُداسی۔ مزید دُکھ نہ دینے کے خیال سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"واقعی" اُسے یقین نہ آیا

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

وہ ہنس پڑی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دوستوں کو رخصت کرنے آیا جا سکتا ہے؟"

"تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو؟"

"ہاں"

"بہت خوشی ہوئی سُن کر"

اور کوئی بات نہ ہو سکی۔ سائمہ کی ایک دو دوستیں آگئیں۔ منصور جلدی ہی اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد بھی سائمہ کا دھیان اُسی میں رہا۔ سہیلیوں سے اچھی طرح بات بھی نہ کر سکی۔ لکچر تیار کرنا تھا وہ بھی نہ ہوا۔ گھر واپس آئی تو اُکھڑی اُکھڑی سی تھی۔ کسی سے سیدھی طرح بات نہ کی۔ اپنے کمرے میں لیٹی رسالے، کتابیں پڑھتی رہی۔

دوسرا روز مصروفیت میں گزرا۔ دوپہر کو سائمہ واپس آئی تو امّی کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب تھی۔ پہلے تو وہ اُنھیں دوائیاں دیتی رہی۔ کوئی فرق نہ پڑا۔ شام تک بخار اور تیز ہو گیا۔ ڈاکٹر کو بُلانا پڑا۔ وہ دیکھ گیا۔ کچھ نئی دوائیاں بھی لکھ کر دے گیا۔ سائمہ امّی کے پاس بیٹھی رہی۔ پٹیاں پانی میں بھگو بھگو کر ماتھے پر رکھتی رہی۔ اس دوران میں بار بار گھڑی دیکھتی رہی۔ منصور سے کئے گئے وعدے کا سوچتی رہی۔ وہ وہ کیسا نااُمید ہوا ہو گا۔ نہ جانے سائمہ کے متعلق کیا سوچا ہو۔ بزدل سمجھتا ہو گا اُسے اتنی ہمت نہیں کہ لوگوں کا سامنا کر سکے۔ گھڑی کی سُوئیاں چار تک گئیں تو جیسے اُس کی دھڑکنیں تھم گئیں۔ ایک بار ماں کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے بندھے ہاتھوں کی طرف اور پھر اُس کی آنکھوں سے دو آنسو گر کر رُخساروں پر آگئے۔

"منصور مجھے معاف کر دو"

اُس نے گیلے رُخسار چھپانے کے لئے منہ دوسری طرف کر لیا۔

بہت دنوں بعد ایک دعوت میں صباحت ملی۔ سائمہ سے گلہ کیا۔

"تم اُس روز نہیں آئیں۔ منصور کو اتنا انتظار رہا۔ بار بار باہر کی طرف دیکھتا تھا۔ ایسا بھی کیا کٹھور پن۔"

"امّی کی طبیعت بہت خراب تھی۔"

"تھوڑی دیر کے لئے چلی آتیں۔"

"بس نہیں آپائی۔"

"منصور نے تمھیں سلام کہا تھا۔"

سائمہ چُپ رہی کچھ بول نہ سکی۔ پلکیں جھپک کر اُس کی صورت دیکھتی رہی۔

"اب امّی کیسی ہیں۔"

"پہلے سے بہتر ہیں۔ تندرست تو ہوتی ہی نہیں۔"

"خدمت تو بہت کرتی ہو۔"

"جتنا مقدور ہے۔"

اور اُس روز واپس آکر اُسے ہر کسی پر اتنا غصّہ آیا۔ امّی سے ایسی بیزاری محسوس ہوئی۔ اب کیا سارے فرائض اسی پر ہی عائد ہوگئے ہیں اور کسی کو پروا نہیں اور ایک وہ ہے کہ سب کا خیال رکھے، خدمت کرے۔ لیکن صلہ پھر بھی نہیں۔ کسی کو خیال تک نہیں کہ وہ اپنی کتنی چیزوں کی قربانی دے رہی ہے۔

منصور چلا گیا، اتنی دُور چلا گیا تھا کہ جہاں تک احساسات بھی نہ پہنچ پائیں۔ وہ اُس کے متعلق سوچتی لیکن ایک پرچھائیں سی نظر آتی نقوش گڈمڈ ہوجاتے۔ اور پرچھائیوں کے پیچھے بھاگنا کہاں کی عقلمندی تھی۔ تنگ آکر وہ اپنا سر ٹپک دیتی۔

اُنہی دنوں اس کی ٹرانسفر دوسری جگہ ہوگئی۔ سائمہ نے ایک ماہ کی چھٹی لےلی۔

ٹرانسفر کروانے کی کوشش کی لیکن کچھ کام نہ بنا۔ ابو نے رائے دی سروس چھوڑ دو۔ گھر آرام کرو۔ سائمہ اُس وقت چُپ رہی لیکن فرصت میں سوچا تو کسی طور خود کو رضامند نہ کر سکی۔ اب تو وقت پھر بھی بھلا بُرا گزر ہی جاتا ہے۔ پھر تو قید تنہائی ہو گی۔ ایسی بوریت کہ وہ جی نہ پائے گی۔ ہر وقت ایک ہی طرح کی سوچیں۔ ایک ہی پرابلم۔ خواہ مخواہ دل کا جلانا۔

اُس روز عائشہ امّی کی خبر لینے آئی ہوئی تھی سائمہ اپنے کمرے میں تھی، کچھ پتہ نہ چلا، خاصی دیر بعد بے خیالی میں اُٹھ کر کمرے تک آئی۔ باتوں کی آواز سُن کر پرے ہی رُک گئی۔ وہ عائشہ تھی۔ اُسی کی باتیں کر رہی تھی۔ شاید ٹرانسفر کا قصّہ زیرِ بحث تھا۔ سائمہ خاموش کھڑی سنتی رہی۔ اچانک ہی ایک بات پر چونک پڑی۔

"امّی! سائمہ بے چاری کی کوئی دلچسپی پیدا کرو۔ بیاہ کر دو کہیں۔"

"میں تو خود فکرمند ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا دو ایک جگہ بات چلائی لیکن آخر میں وہ لوگ انکار کر گئے۔ پتہ نہیں سائمہ میں ایسی کیا بات ہے۔ برادری کے لوگ یوں رضامند نہیں کہ جانے دوسری بیٹی کے اطوار بھی کیا ہوں۔ اور پھر سائمہ کا خود پتہ نہیں چلتا ایسی گُم سُم رہتی ہے کچھ منہ سے بولتی ہی نہیں۔"

امّی کی آواز مدھم ہو گئی۔

"عائشہ — کہیں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے کوئی چکر۔"

"ہاں — مجھے بتا دو۔"

چند لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔ باہر کھڑی سائمہ کی پیشانی پر بل تھا۔ غصّہ سے

جھنجلا رہی تھی، لیکن وہاں سے ہلی نہیں۔ خاصی دیر بعد عائشہ کی آواز آئی۔

"کہہ نہیں سکتی امی۔ ویسے وہ منصور شاید دلچسپی لیتا تھا"

"اور سائرہ۔ اس کا کیا خیال تھا"

"دیدی کچھ اتنی گھاس نہیں ڈالتی تھی، لیکن آدمی بُرا نہیں۔ میں نے کتنی بار کہا۔ کوئی اثر ہے ہی نہیں معلوم نہیں کس مٹی سے بنی ہیں"

"وہ پٹھان ہے"

عائشہ کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"امی اب تو یہ باتیں چھوڑ دیں۔ کیا رکھا ہے"

"لوگوں کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے"

"اُن لوگوں کا جو آپ کو باتیں بناتے ہیں۔ ہنستے ہیں۔ آپ کی بیٹی کا رشتہ نہیں لیتے۔ امی اب تو آپ کو سمجھ جانا چاہیئے تھا"

"بیٹی کا رشتہ۔ کسی کا کیا قصور۔ سائرہ میں خود ہی کوئی ایسی بات ہوگی۔ انجانے لوگوں کا کیا پتہ"

"امی دیدی کو کچھ نہ کہیں۔ میں اُسے بڑی اچھی طرح جانتی ہوں"

سائرہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ سُن سکی۔ مارے رنج اور غصّہ کے وہ کپکپا رہی تھی۔ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ بند کر کے بہت روئی۔ مُدّتوں کے رُکے آنسو نکل گئے۔ ہر کسی سے اتھاہ بیزاری کا احساس ہوا۔ مُدّتوں کی ریاضت کا یہ صلہ ملا۔ سوچ سوچ کر اُس کا ذہن تھک گیا۔ ہر کوئی مجھے ہی الزام دیتا ہے۔ یوں جیسے میں نے کچھ کیا ہو۔ سچ مچ ہی۔ اور خود امی جان سے

کون سی بات چھپی ہے۔ وہ بھی یہی کہیں تو میرا کچھ کرنے کا فائدہ ہی کیا۔ اب تو انھیں بھی میرا آنچل میلا ہی لگنے لگا ہے۔ اوروں کی تو بات ہی کیا ہے۔

اور اُس روز اُس نے فیصلہ کر لیا۔ وہ یہاں سے دُور چلی جائے گی۔ سروس ضرور کرے گی اور اپنی زندگی اپنے ڈھنگ پر گزارے گی۔ اُسے کیا ضرورت کہ وہ ہر کسی کے لئے قربانی دے۔ سروس چھوڑ کر اُسے کیا ملے گا۔ وہ تو ذہنی طور پر مریض ہو کر رہ جائے گی۔ پہلی بار اُسے منصور سے اپنے رویّہ کے متعلق افسوس ہوا۔ پشیمانی ہوئی۔ لیکن اب وہ اتنی دُور تھا کہ وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ خالی خولی اُس کے متعلق سوچ سکتی تھی۔ وہ یہاں ہوتا تو شاید ــــــ اُس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی جھلک آئی۔ تکیہ میں منہ چھپا لیا۔

چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ سائمہ آہستہ آہستہ اپنے جانے کے لئے تیاریاں کر رہی تھی۔ امّی کے لئے ایک نوکرانی کا بندوبست کر دیا تھا۔ انھیں سائمہ کا جانا بالکل پسند نہ تھا، اُس کی خود غرضی پر محمول کرتی تھیں۔ لیکن وہ ڈھیٹ ہو گئی۔ ایک دم سے ہی بے حس بن گئی۔ ابّو کے سمجھانے، امّی کی ضد کی پروا نہ کی۔ پہلی بار اپنے فیصلہ میں کسی اور کی دخل اندازی برداشت نہ کی۔ اُس روز وہ جا رہی تھی۔ سارا سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا۔ سائمہ امّی سے ملی تو وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"کب آؤ گی سائمہ؟"

"پہلی فرصت میں۔"

وہ مایوس ہو رہی تھیں، آہستہ سے بولیں۔

"کیا خبر پھر تمھیں دیکھ بھی سکوں۔"

سائمہ چونکی۔ ایک بار غور سے انھیں دیکھا وہ کمزور ضرور تھیں۔ لیکن اب یہ

تھوڑی سی تکلیف تو کتنی ہی دیر سے چلی آرہی تھی۔ وہ اُن کا شانہ تھپتھپاتی ہوئی خوشگوار انداز میں بولی۔

"امی کچھ نہیں ہوتا آپ کو۔ عائشہ یہاں ہے وہ خیال رکھے گی۔"

"وہ کیا خیال رکھے گی؟"

سائمہ کی آواز میں ہلکی سی طنز تھی۔

"ارے آپ کی پیاری بیٹی ہے۔ خیال کیوں نہ کرے گی۔ اچھا امی اب دیر ہورہی ہے۔ ورنہ گاڑی چھوٹ جائے گی۔ خدا حافظ

وہ چھپاکے سے باہر آگئی۔

وہ جگہ چھوٹی سی تھی، لیکن بڑی پُرسکون اور خوبصورت۔ کالج اچھا تھا اندر ہی ہوسٹل بنا تھا۔ لڑکیوں اور سٹاف کے ہوسٹل کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ سٹاف کے لئے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پورشن بنے تھے۔ دو دو لیکچرر ایک ہی میں رہتی تھیں۔ میس علیحدہ تھا۔ وہاں جا کر کھانے وغیرہ کے علاوہ گپ شپ بھی ہو جاتی۔ اِدھر اُدھر کے سیکنڈل بھی زیرِ بحث آ جاتے۔ کسی کے بیاہ منگنی کی خبر بھی مل جاتی۔ بڑا گھریلو سا ماحول تھا۔ وہاں آ کر سائمہ کو اچھا محسوس ہوا۔ گھر کی یاد کچھ ایسا نہ ستائی۔ یوں بھی گھر کے ماحول سے بیزار ہو گئی تھی۔ اب کسی تبدیلی کا احساس ہوا۔ کچھ معمول بھی بدل گیا۔ وہ تنہائی اب شاذ ہی ملتی۔ اکثر کہیں نہ کہیں مصروف رہتی۔ کبھی پکچر، کبھی شاپنگ کا پروگرام بن جاتا۔ اور کچھ نہیں تو دلچسپی کی خاطر ہی کسی ساتھی لکچرر نے اپنے کمرے میں چائے کا انتظام کیا ہوتا۔

سائمہ وہاں آ کر بہل گئی۔ سب کچھ بھول گئی۔ ساری ہی تلخیاں فراموش کر دیں۔ امّی نے جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا۔ وہ شہر چھوڑ کر وہاں کی باتوں میں بھی اہمیت نہ رہی۔ سارا دن خود کو مصروف رکھتی۔ کچھ وقت کالج میں گزر جاتا۔

واپس آکر رسالے، کتابیں پڑھتی رہتی۔ ڈھیروں سوتی۔ شام کو لباس تبدیل کر کے چہل قدمی کے لئے چل دیتی۔ رات کو کھانے کے بعد اگر موڈ بنتا تو کچھ دیر کچھ دیکھنے چل دیتیں۔

یوں زندگی گزرتے ہوئے کتنا ہی عرصہ گزر گیا۔ سائمہ عادی ہو گئی۔ جب شروع میں یہاں آئی تو ٹرانسفر کروانے کا ارادہ تھا یا یہ کہ واپس چلی جائے لیکن پھر کچھ ایسا عادی ہوئی کہ کسی بات کو دل ہی نہ چاہا وہیں دل لگا لیا۔ زندگی اچھی خاصی پُرسکون تھی، پھر کیوں روگ لگایا جائے، اور یہی کچھ سوچ کر اُس نے ابّو سے کچھ نہیں کہا۔ چھٹیوں میں گھر چلی جاتی۔ امّی کی صحت ویسی ہی تھی، چند روز اُن کی خدمت میں گزارتی۔ دل بہلانے کی کوشش کرتی۔ بس ایک بات سے اس کا دل دُکھتا۔ جب بھی چھٹیوں میں گھر گئی امّی خواہ مخواہ اُس کے متعلق پریشان ہوا کرتیں۔ بیاہ کرنے کو کہتیں۔ ابّو کے کسی دوست کا بیٹا تھا، امّی کو بہت پسند آیا بس ایک بات پر کُڑھتیں کہ وہ پٹھان نہ تھا، لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو جاتیں۔ پچھلی باتوں کے متعلق کان بند کرنے کی کوشش کرتیں۔ دم دلاسے دے کر ابّو کو بھی کسی حد تک منا لیا۔ ہر بار ایک ہی موضوع پر آ جاتیں۔ اب کی دفعہ بھی یہی ہوا۔ سائمہ گھر آئی تو حسبِ دستور وہ ذکر شروع ہو گیا۔ وہ جھنجھلا گئی۔

"میں جب بھی آؤں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اب میں گھر نہیں آیا کروں گی۔"

"آخر تو تمھارا بیاہ ہونا ہی ہے۔ پہلے بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔ عائشہ بیاہی گئی بیٹا بھی پیدا ہو گیا، اور تم یونہی بیٹھی ہو۔ اور دو چار سال گزر گئے تو پھر کون آئے گا۔"

"امّی میں آپ پر بوجھ تو نہیں۔"

"نہ سہی لیکن میں تو تمھاری وجہ سے پریشان ہوتی ہوں۔"

"بلاوجہ ہوتی ہیں۔"

"تم اِن باتوں کو نہیں سمجھو گی۔"

"خیر بیاہ ایسا بھی تو ضروری نہیں" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"اور پھر اس ریاض میں ہی کیا لال جڑے ہیں۔"

"اتنا چاہ کر رہے ہیں۔ اوروں کا تو تمھیں پتہ ہے ہی۔"

"مجھے خیرات نہیں چاہیئے۔" وہ پیشانی پر شکن ڈالے بولی۔ لہجہ میں اتنا طنز نمایاں تھا۔ کٹتا ہوا انداز۔

"اور آپ کی وہ روایات کیا ہوئیں۔ ریاض اپنی ذات کا بھی تو نہیں۔"

وہ ایک دم سے غصّہ میں آگئیں۔

"سائمہ —— تمھیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے۔"

وہ اُسی انداز میں بولی۔

"آپ لوگوں کے نظریات اتنے کمزور کیوں ہیں۔ ضرورت کے تحت ٹوٹتے رہتے ہیں۔"

"ریاض میں کیا بُرائی ہے۔"

وہ لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر بولی۔

"مجھے کسی کی بُرائیوں اچھائیوں سے کیا سروکار۔ لیکن میں نے ابھی بیاہ نہیں کرنا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہیں۔ کسی سوچ میں کھوئی رہیں۔ ایک دوبار سائمہ کے بگڑے موڈ کو دیکھا۔ پھر ایک لمبا سانس لے کر پوچھنے لگیں۔

"تمھیں کوئی اور پسند تو نہیں"

سائرہ چونک پڑی، یوں لگا کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔ شاک سا ہوا، پریشان ہو کر امی کی سنجیدہ صورت کو دیکھا۔ اُسی وقت ہی اُسے منصور یاد آ گیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی سامنے بیٹھی ماں پر غصّہ بھی۔ دُکھ سے سوچا۔

"کیا ہوتا امی اگر آپ نے اپنے نظریات تب بدل لئے ہوتے۔ میں نہ چاہتے ہوئے اتنی سختی سے انکار تو نہ کرتی۔ کسی کو اپنا دیس چھوڑنا تو نہ پڑتا۔ میں نے اُسے دُکھ دیا۔ اور اب خود کو بہلانے کے لئے وہ کوئی سہارا ڈھونڈھ بھی لے تو میں گلہ تو نہیں کر سکتی"

وہ چند لمحے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں لئے بیٹھی رہی۔ پھر ایک دم سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہنستے ہوئے انداز میں بولی۔

"آپ ایسی باتیں نہ کریں"

"سائرہ۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں تمھارے ابّو کو رضامند کر لوں گی"

"مجھے کسی کی ضرورت نہیں"

وہ پیلا چہرہ لئے باہر چلی آئی۔ مزید اور کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حوصلہ بھی نہیں ہوا۔ اب بھلا کچھ کہنے کا فائدہ بھی کیا۔ جو انسان دُور دیس میں ہو اُس سے ناطہ جوڑا بھی کیوں کر جا سکتا ہے اور پھر کیا خبر اس کے خیالات کتنے بدل گئے ہوں۔ ضروری تو نہیں کہ ایک انسان سدا اتنا ہی عزیز رہے۔ جیسا کہ کبھی تھا۔ منصور کو گئے اتنا عرصہ گزر گیا۔ اس دوران میں اُس نے بھول کر بھی نہیں پوچھا۔ کبھی دو لفظ اپنی خیریت کے نہیں لکھے۔ یوں گیا کہ پھر پیچھے مڑ کر دیکھنا قسم

ہو گیا۔

اُس روز اُس کا موڈ اتنا بُرا رہا۔ کسی سے بات کرنے کو دل نہ کرتا تھا۔ عائشہ اپنے بیٹے کو لائی۔ ایسا خوب صورت پیارا سا بچّہ تھا کہ دیکھ کر خواہ مخواہ پیار آجائے۔ ان دونوں کو خوش باش دیکھ کر اُسے رشک آگیا۔ خود میں کسی کمی کا احساس ہوا۔

شام کو اکیلی اپنے میں بیٹھی تھی کہ شجاع کا فون آیا۔ سائرہ کا اُٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن مجبوراً آ گئی، وہ اُسے دوسرے روز یونی ورسٹی آنے کا کہہ رہا تھا۔ گلہ کر رہا تھا کہ وہ واپس آتی ہے تو خبر تک نہیں دیتی۔ اِدھر اُدھر کے لوگوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تشریف رکھتی ہیں۔

سائرہ نے جان چھڑانے کو وعدہ کر لیا۔ رات کو پریشان سوئی۔ نیند پوری نہ ہوئی۔ صبح اُٹھی تو طبیعت کسل مند تھی۔ کسی کام کے کرنے کا موڈ نہ تھا۔ بہت دیر تک بستر میں پڑی رہی۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔ یونیورسٹی جانے کے متعلق کش مکش میں تھی۔ گھر میں کرنے کو بھی کچھ کام نہ تھا۔ دس بجے کے قریب وہ تیار ہوئی، اور گاڑی لے کر چل دی۔ شجاع اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ وہ وہیں بیٹھی انتظار کرتی رہی۔ بیتے دنوں کے متعلق سوچتی رہی۔ کبھی وہ جو شجاع کے کمرے میں آتی تو وہاں منصور سے بھی ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اب۔ سب کچھ کل کی بات ہونے کے باوجود اتنا دُور معلوم ہوتا تھا جیسے درمیان میں صدیوں کا فاصلہ آگیا ہو۔

شجاع آیا بڑے تپاک سے ملا۔ اُس کی خیریت پوچھتا رہا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ چائے سے خاطر و تواضع کی۔ صباحت اور بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں دلچسپ

سے سنتا رہا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"سائرہ اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی خاص نہیں"

"بیاہ کب کر رہی ہو؟"

"کون ۔۔۔ میں؟" وہ چونک کر اُس کی طرف مُڑی۔

"کیا پوچھ رہے ہیں"

"بھئی تمہارا ہی بیاہ ۔۔۔ اور کس کا"

"ایسا کوئی پروگرام نہیں"

"وجہ پوچھ سکتا ہوں"

سائرہ کو اُس کی دلچسپی پہ حیرت ہوئی۔ سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں"

"عائشہ ایک روز صباحت کو ملی۔ تمہارے متعلق پوچھا تو کہنے لگی عنقریب تمہارا بیاہ ہو رہا ہے"

سائرہ عجلت سے بولی۔

"گپ کرتی ہے وہ"

بات کہہ کر وہ سُرخ ہو گئی۔ اپنی عجلت پر پشیمانی ہوئی۔ اب بھلا ایسا بھی کیا وہ جیسے اُسے بتانے کو ایسی بیقرار ہی تو تھی۔ شجاع ہنس دیا۔

"چلو اچھا ہوا تسلی ہو گئی اپنی" وہ آہستہ سے بولا۔

"ایک بات تمہیں بتاؤں۔ منصور کا خط آیا تھا"

وہ سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔

"تمھارے متعلق پوچھا تھا"

"پھر"

"پھر کچھ نہیں۔ صباحت تمھاری غیر موجودگی میں امّی کے پاس گئی۔ تمھارے متعلق بات ہوئی تو وہ کہنے لگیں کہ وہ خود پریشان ہیں۔ تم بیکار کی ضد کر رہی ہو"

"میں ضد کر رہی ہوں"

"وہ تو یہی کہہ رہی تھیں"

"میں تو اُن کی رواداری کو نبھا رہی ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا تو اُنھوں نے اپنا نظریہ ہی بدل دیا۔ خبر نہیں کیا دیکھ کر سبق حاصل ہوا۔ اب میں اُن کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر تو چل نہیں سکتی۔ خواہ وہ غلط ہوں یا درست۔ میں واپس نہیں پلٹ سکتی۔ میری اپنی انا، خود داری بھی تو کچھ ہے"

شجاع سنجیدگی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"تم تو بیاہ نہیں کرنا چاہتیں"

وہ چپ رہی تو اُس نے پھر پوچھا۔

"کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ کوئی ایسا انسان جو تمھیں پسند ہو"

سائرہ کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی آ گئی۔

"شجاع بھائی آپ کیسی باتیں کرتے ہیں"

"سائرہ تم مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ دوست سمجھو، لیکن اپنے دل کی بات مجھ سے کر ڈالو۔ ہو سکتا ہے میں تمھیں کچھ مشورہ دے سکوں"

وہ جلدی سے بولی۔

" ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ امی کیوں پریشان ہیں، میں خوب سمجھتی ہوں۔ میرا یوں چپ اور اداس رہنا انھیں کھلتا ہے۔ ہر حال میں مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔ اس کے لئے خواہ انھیں اپنے نظریات کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ ابو کو کسی صورت کیوں نہ منانا پڑے۔ ماں کا دل بڑا ہوتا ہے۔ یہ مجھے اب پتہ چلا۔ اُن کے فرسودہ نظریات پر میری اُن سے کتنی ہی بار بحث ہوئی تھی، اور مجھے معلوم ہے وہ پرانی باتیں انھیں کتنی عزیز ہیں۔ عائشہ نے دراصل اپنی حرکت سے سارا طلسم توڑ دیا جس نظریاتی دنیا میں وہ رہتی تھیں وہ درہم برہم ہو گئی۔ وہ کسی اور انداز میں سوچنے لگیں۔ وہ کچھ کرتی تو ہیں لیکن مجبوراً۔ اور جب وہ کوئی ایسی بات کرتی ہیں تو مجھے پشیمانی ہونے لگتی ہے۔ خود کو قصوروار سمجھنے لگتی ہوں "

شجاع مسکرا دیا۔

" سائمہ بی بی۔ تم بھی کن سوچوں میں پڑ گئیں۔ تمھاری امی راہ پر آئیں تو تم اُن کی جگہ پر چلی گئیں۔ تمھیں تو خوش ہونا چاہیئے تھا "

" امی کو جس انداز سے راہ پر لایا گیا اس کی بیک گراؤنڈ آپ دیکھیں تو شاید مجھ سے اتفاق کرنے لگیں۔

وقتی باتیں ہیں۔ تم بھی ٹھیک ہو جاؤ گی "

" امکان کم ہی ہیں "

" میں پُرامید ہوں " وہ مسکراتا ہوا بولا

" یہاں ٹرانسفر کی کوشش کیوں نہیں کرتیں "

"اتنی دیر وہاں رہتے ہوئے ہوگئی ہے۔ اب وہاں بھی دل لگ گیا۔"

"شاید تمہیں گھر یاد نہیں آتا۔"

"کچھ اتنا نہیں۔"

"ایسی بے حس ہوگئی ہو۔"

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"عادت ہوگئی ہے۔"

شجاع سنجیدہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ مدھم لہجہ میں بولا۔

"منصور واپس آ رہا ہے۔"

وہ حیران ہوئی چہرے پر ہلکی سی زردی کھنڈ گئی۔ بہت بے یقینی سے شجاع کی طرف دیکھا۔ کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔"

وہ اتنی دیر میں سنبھل گئی۔

"خوشی ہوئی سُن کر۔ کیا وہاں دل نہ لگا۔"

"اپنی جگہ سے جتنی وابستگی ہوتی ہے وہ کہاں آسانی سے بُھلائی جا سکتی ہے۔ اور پھر جب جگہوں کے علاوہ لوگوں سے بھی وابستگی ہو۔ منصور نے دل لگانے کی کوشش ضرور کی، لیکن کامیاب نہیں ہوا۔"

"کب آ رہے ہیں۔"

"یہ ابھی معلوم نہیں۔ دو ایک ماہ تو لگیں گے ہی۔"

"یہاں کی سروس کا کیا ہوا۔"

شجاع ہنس دیا۔

"فی الحال چھٹی پر ہے۔ اور اُسے سروس کی پروا بھی کیا ہے۔ ذہین آدمی ہے۔ اُس کے لئے کسی بھی فیلڈ میں کام کرنا کیا ہی مشکل ہو گا۔ کچھ بھی نہ کرے تو بھی بھوکا نہ رہے گا۔"

وہ مسکرا دی۔

"سرمایہ داری کا بھلا ہو۔ لوگوں کی جائداد سلامت رہے۔"

شجاع نے موضوع بدل دیا۔

"ابھی اور کتنے دن یہاں ہو۔"

"چھٹیاں ہیں فی الحال۔ کچھ دن ٹھہروں گی۔"

"صباحت آئے گی کسی روز"

"ضرور مجھے خوشی ہوگی۔ آپ بھی آئیں۔"

کوشش کروں گا۔ آج کل اِدھر یونیورسٹی میں کام بہت ہوتا ہے۔ فرصت ہی نہیں مل رہی۔ صباحت تک کو شکایت رہتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ میری مصروفیت کا اعتبار نہیں۔"

"شوہروں پر اعتبار کم ہی کیا جاتا ہے۔"

"تم بھی یہی سلوک روا رکھو گی۔"

وہ ہنس پڑی

"شوہر ہوگا۔ تبھی نا۔"

"فضول باتیں کرتی ہو۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا ایسا کوئی پروگرام نہیں۔"

"خیر دیکھیں گے۔ یہ ایسا کونسا مشکل کام ہے۔ تمھیں خواہ مخواہ کی ضد سوار ہے۔ لڑکیوں کی انا ہمیشہ غلط وقت پر آتی ہے۔ بھلا کوئی تک بھی ہے اس کا۔"

"میں اب چلوں۔"

"ضرور جاؤ۔ اور لوگوں سے بھی ملتی جاؤ۔"

"ہاں میری ساتھی دو ایک یہاں ہیں۔"

"یاد کیا کرتی ہیں تمھیں۔"

"مہربانی ہے اُن کی جو اتنی دیر بعد بھی یاد کرنے کی زحمت گوارا کرتی ہیں۔ ورنہ اس مشینی دَور میں کس کو پروا رہ گئی ہے۔"

"اپنی بات کرتی ہو۔"

وہ ہنستی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں سب کی۔ آپ کی بھی۔"

"اُس کا گِلہ تو تم کر ہی نہیں سکتی ہو۔"

مانتی ہوں، بعض لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

وہ مسکرا دیا۔ جلدی سے بولا۔

"ارے — میں شکر گزار ہوں۔"

سائمہ واپس آئی۔ سارا راستہ پریشانی میں کچھ سوچتی آئی تھی۔ منصور واپس آرہا تھا اور ان حالات میں وہ اس کا سامنا کرنا نہ چاہتی تھی۔ کتنا کتنا نہ ہنسے گا وہ۔ اس خود ساختہ نظریات کا کتنا مذاق نہ اُڑائے گا۔ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے گا

اُس کی طرف دیکھ کر۔ کیا خبر اب بھی وہ اُس میں دلچسپی لیتا ہو یا نہیں۔ وہ پہلے والی بات ہی ختم ہو گئی ہو۔ کیسی شرمندگی نہ ہوگی اُسے۔ سوچتے سوچتے وہ جھنجلا گئی۔

"میں کسی سے بھی بیاہ نہ کروں گی۔"

اُسی شام کو عائشہ آ گئی۔ آپا کے ساتھ اُس کا موٹا پیارا سا مُنّا بھی تھا۔ سائمہ کو اتنا اچھا لگتا تھا۔ کتنی ہی دیر اُس سے کھیلتی رہی پیار کرتی رہی۔ عائشہ سے باتیں بھی کیں۔ اُسی وقت ہی اُسے عائشہ کی صباحت سے باتیں یاد آ گئیں۔ پوچھنے کو دل چاہا۔

"عائشہ تم نے صباحت کو میرے بیاہ کے متعلق کیوں کہا۔"

"کیا غلط بات کی دیدی۔"

"تمھیں ایسا نہ کہنا چاہیئے تھا۔ غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا کرتے۔"

"کیوں تمھارا بیاہ جو ہو رہا ہے۔"

"تم سے کس نے کہا۔"

"سب لوگ اتنے سنجیدہ ہیں بات کچھ روز میں پکّی ہو جائے گی۔ اور بیاہ کس طرح ہوتا ہے۔"

سائمہ ہنس دی۔ کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔

"میرا بیاہ۔ بغیر مجھ سے پوچھے کیسے طے پا سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں دیدی۔ تم ایسی لڑکیوں کا رشتہ ہی تو گھر والے اپنے آپ طے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تم اُن کا دل نہیں توڑ سکتیں۔ اُنھیں دُکھ دینے کا حوصلہ تم میں نہیں۔ وہ جو کہیں گے سر جھکا دو گی۔"

عائشہ کا لہجہ اتنا ٹھہرا ہوا تھا، ہلکی سی طنز نمایاں ہو رہی تھی۔ سائمہ سر اُٹھائے اُس کی بات سنتی رہی۔ چوٹ کو برداشت کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر پُرسکون انداز میں آہستہ سے کہنے لگی۔

"عائشہ۔ میں پہلے سے بہت بدل گئی ہوں"

وہ بے اعتباری سے بولی۔

"میں نہیں مانتی"

"واقعی۔ میں نے زمانے سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ خواہ مخواہ قربانی دینے کا کیا فائدہ۔ کوئی یاد بھی نہیں رکھتا۔ اُلٹا لوگ باتیں ہی بناتے ہیں۔ بُرائیاں ہی ڈھونڈتے ہیں۔ پھر خود کو دھوکا دینے کی ضرورت بھی کیا۔ زندگی بہت فطری انداز میں گزرنی چاہیئے"

"دیدی" وہ منہ کھولے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی ہوئی۔ کم از کم تم اس قابل تو ہوئیں کہ اپنے فیصلے خود کر سکو۔ اپنی خوشیاں، اپنا حق لڑ کر لے سکو۔ کسی کے آگے دامن نہ پھیلاؤ"

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ سائمہ کسی سوچ میں تھی۔ عائشہ دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی۔ شریر نظروں سے سائمہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آج شام کو ریاض آ رہا ہے"

"پھر ــــ"

"پھر کچھ نہیں۔ امّی نے اُسے چائے پر بلوایا ہے"

"امی بیکار تردد کرتی ہیں"

"کیوں تم نے کوئی انتظام کرلیا ہے؟"

"مجھے ریاض سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"اور کس سے ہے؟"

"کسی سے بھی نہیں۔"

"جھوٹ بولتی ہو تو ویدی۔ مجھے معلوم ہے"

وہ پیشانی پر بل ڈال کر بولی۔" کیا معلوم ہے تمھیں؟"

"تمھاری دلچسپی۔ اور اس میں بُری بات ہی کیا ہے۔ منصور بہت اچھا انسان ہے۔ مجھے ہمیشہ پسند رہا۔"

ہمیشہ کی طرح منصور کے ذکر پر سائمہ کے چہرے میں پیلاہٹ آگئی۔ عائشہ پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ پھر مدھم لہجہ میں بولی۔

"کوئی اچھا ہو یا بُرا مجھے اس سے کیا؟"

"بھئی تمھاری یہ عادت بہت ناپسند ہے۔ ہر بات کو چھپاتی ہو۔ خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اب بھلا یہ قبولنے میں کیا بُرائی ہے۔ کہ وہ تمھیں اچھا لگتا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کیا کرو عائشہ"

وہ بیزاری سے بولی۔ اُٹھ کر دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔ پردہ پرے کھسکائے خاموشی سے باہر تکتی رہی۔ شام کو ریاض آیا۔ بس ٹھیک تھا نہ اچھا نہ بُرا۔ سب نے اکٹھے چائے پی۔ ریحان اور سوزین بھی تھے۔ ابو حسبِ معمول ابھی تک واپس نہ آئے

تھے ۔ سائمہ نے ریاض کو دیکھا۔ اُس کے سوالوں کے جواب بھی دیئے ۔ دو ایک باتیں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ اس سے اتنی لاتعلق رہی ۔ ذرا جو کچھ محسوس ہوا ہو۔ سنجیدہ چہرہ لیئے لاپرواہی سے بیٹھی رہی ۔ امیّ نے اُسے تنہائی کا موقع دینے کی کوشش بھی کی۔ کہنے لگیں "سائمہ بیٹی ریاض کو کتابوں کا بہت شوق ہے اِسے ذرا اپنے ابّو کی لائبریری دکھالاؤ"

وہ سب سمجھتی تھی یونہی لاپرواہی سے بیٹھی رہی۔

"عائشہ دکھا دے گی امیّ"

"تم چلی جاؤ نا۔ عائشہ کو ان باتوں کا کیا پتہ"

اُس نے سنجیدہ نظروں سے ریاض کی طرف دیکھا، لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر بولی۔

"ابھی دکھا دوں گی ۔ ایسی جلدی کیا ہے"

وہ پھر ریاض کی طرف مڑی۔

"واقعی آپ کو کتابوں کا ایسا شوق ہے"

وہ کچھ سمجھ کر بولا

"آپ تکلیف نہ کریں پھر کسی وقت دیکھ لوں گا"

"شکریہ"

وہ اُسی لاتعلقی سے بیٹھی رہی۔ ریاض کا چہرہ سُرخ ہوگیا ۔ عائشہ ہونٹ دانتوں میں دبائے سائمہ کو دیکھ رہی تھی۔ ریحان کے چہرے پر دبی سی مسکراہٹ تھی۔ سائمہ کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ ریاض کا کچھ فیصلہ نہ ہوسکا ۔امیّ نے بات کی تو وہ

صاف ٹال گئی۔ نہ اقرار نہ انکار۔ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ کر چل دی۔ اپنی جگہ آئی تو اتنا سکون محسوس ہوا۔ جانی پہچانی جگہیں دیکھ کر دل کو تسلّی ہو گئی۔ پھر ایک بار وہی شب و روز تھے اور وہی وہاں کی دلچسپیاں۔ سائرہ گھر کی مصروفیات میں ریاض کا قصّہ ہر بات بھول گئی۔ یوں لگا کبھی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

رات کو بستر میں لیٹتے ہوئے اُسے منصور کا خیال آ گیا۔ نہ جانے کیسا ہو۔ کتنا بدل گیا ہو۔ اُس کے متعلق کیا سوچتا رہا ہو۔ اچھا ہوا جو وہ اُس جگہ سے چلی آئی۔ وہاں ہوتی تو کبھی نہ کبھی ٹکراؤ ہو ہی جاتا۔ کبھی شجاع ہی بُلا بھیجتا یا وہ خود ہی چلا آتا۔ اب یہ تو ہونے سے رہا کہ وہ ملنے سے انکار کر دیتی۔

کتنی ہی دیر لیٹی وہ سوچتی رہی۔ دل دھڑک دھڑک کر پریشان کر رہا تھا۔ اُس نے دل کی آواز پر کان بند کر لئے۔ سنجیدگی سے سوچا۔

"میں منصور سے نہیں ملوں گی"

اور اپنے اس فیصلے پر اتنا سکون محسوس ہوا۔ کروٹ لے کر اُس نے تکیئے میں منہ چھپا لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

پھر کئی ماہ گزر گئے زندگی پُرسکون گزر رہی تھی۔ اچانک اُس میں پتھر آن گرا۔ سائمہ کا سکون درہم برہم ہوگیا۔ شام کو لان میں بیٹھی تھی کہ وارڈن کی کوٹھی سے بُلاوا آگیا۔ اُس کی فون کال تھی۔ گئی تو وہ عائشہ بول رہی تھی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ امّی کی صحت قدرے بہتر تھی۔ ابّوجان کا معمول حسبِ دستور تھا۔ اُس کا مُنّا روز بروز موٹا ہوتا جارہا تھا اور یہ کہ منصور واپس آگیا تھا۔ عائشہ کی ملاقات ہوئی اتنا اچھا ہورہا تھا۔ بڑا سمارٹ اور گورا بھی۔ سائمہ کی خیریت پوچھ رہا تھا۔ سُن کر سائمہ کا دل دھڑک اُٹھا۔ منصور کی صورت ذہن میں اُبھر آئی۔ ہر نقش یوں صاف تھا جیسے کل ہی کی بات ہو۔ اکثر باتیں ویسی ہی یاد تھیں۔

"ڈیری۔ مجھے وہ بہت اچھا لگا۔ اور جس اپنائیت سے وہ تمہارے متعلق پوچھ رہا تھا وہ ایسا جانا پہچانا انداز تھا۔"

"تمھیں اکثر لوگ جلد ہی پسند آجاتے ہیں۔"

"اور تمھیں پسند آتے ہوئے بھی نہیں۔"

"تمھارا خیال ہی ہے۔"

"بہرحال سوچ لینا۔ آدمی بُرا نہیں۔"

"بہت بزرگ ہو گئی ہو۔"

"وہ تو ہوں ہی۔ کم از کم تمھارے معاملے میں تو ضرور ہی ہوں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

فون بند کر کے وہ واپس آئی تو موڈ اتنا خوشگوار تھا۔ ایک دم سے ہی دل خوش ہو گیا۔ منصور کے واپس آجانے سے انجانی سی مسرت ہوئی۔ نامعلوم سی خوشی کا احساس۔ واپس آکر بھی وہ ذہنی طور پر غائب رہی۔ ساتھی لیکچررز کا ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔ سوچیں اتنی خوبصورت تھیں کہ کچھ اور کرنے کو دل ہی نہ چاہا۔

رات کو ایسی پُرسکون نیند آئی، دل کا بوجھ جیسے اُتر گیا ہو۔ بڑے حسین خواب دیکھتی رہی۔ خود کو شاندار کپڑوں میں ملبوس دلہن بنے دیکھا۔ منصور کے ہمراہ مسکراتے ہوئے محسوس کیا۔ صبح اُٹھی تو اتنی تازہ دم تھی بات بے بات پر قہقہے لگاتی رہی۔ ہنستی رہی۔

پھر کتنے ہی روز اُس کا موڈ ایسا ہی رہا۔ سارا وقت خوش باش پھرتی۔ بڑی لگن سے کام کرتی۔ پھر فراغت کے وقت خوبصورت خواب دیکھتی رہی۔ پچھلی ساری ہی باتیں فراموش کر گئی۔ پُرانے نظریات اور قدریں بھول گئی۔ کسی کی کوئی بات یاد ہی نہ رہی۔ غیر محسوس طور پر منصور کا انتظار کرتی رہی۔ یوں لگتا کسی بھی لمحے وہ چلا آئے گا۔ ہر آہٹ پر اُس کی آمد کا گمان ہوتا۔ شام کو ہوسٹل سے باہر کوئی بھی گاڑی رُکتی اُسے یوں ہی محسوس ہوتا کہ وہ منصور کی کار ہے۔ اور عائشہ نے بتایا تھا منصور نئی گاڑی لایا ہے۔ لمبی اور خوبصورت۔ سڑک پر گزرتی ہوئی کار کو دیکھ کر اُسی کا شبہ ہوتا۔ کئی روز میں

عالم رہا۔ لامتناہی انتظار۔ ذہن پر بوجھ سا۔ عجب سا انتشار۔ آخر وہ تھک گئی۔ ناامیدسی ہوگئی۔ ہر طرح کے وسوسے دل میں آئے۔ کیا خبر منصور کتنا بدل گیا ہو اُسے بھول بھال بھی گیا ہو۔ کسی کی خیریت تو یوں بھی پوچھی جا سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اس کے پیچھے کوئی جذبہ بھی ہو۔ اُسے خود میں کسی کمی کا سا احساس ہوا۔ یوں لگا اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ اپنے لٹنے کا احساس ہوا۔ پہلی با... ہم ہوا وہ خود کو دھوکا دیتی چلی آئی۔ اپنے ساتھ خود ہی فریب کرتی رہی ہو۔ اپنی خود ساختہ مجبوریوں میں جکڑی رہی ہو۔ وہ منصور کو کتنا پسند کرتی تھی۔ یہ اُس کی طویل غیر حاضری اور پھر واپس آنے پر انکشاف ہوا۔ اور اب اُس کی لاپرواہی دیکھ کر سائرہ کا دل دُکھ گیا۔ کتنا کتنا اُس نے سوچا تھا منصور واپس آیا تو فوراً ہی اُس کے پاس بھاگا چلا آئے گا۔ پھر اپنی وہی تمنا دُہرائے گا۔ اُس نے تو کہا تھا تم میری منزل ہو۔ زندگی کی راہ میں جب بھی ملو گی میں یہی تمنا دہراؤں گا تو اب اُسے کیا ہوا۔ کیا وہ ہر بات بھول گیا۔ ان دو سالوں میں ہی اتنی تبدیلی آگئی کہ وہ اُسے ملنے نہ آسکا۔ عجیب سی محرومی ہوئی اور محرومی کا یہ احساس دل توڑ گیا۔ اُسے بیمار کر گیا۔ سوچوں میں مایوسی چلی آئی تھی۔ کھانا بہت کم کھاتی۔ کہیں آتی جاتی نہیں۔ کسی سے بہت کم بات کرتی۔ ایک روز کالج سے واپس آئی۔ طبیعت اچھی نہ تھی۔ کھانا کھائے بغیر ہی بستر میں لیٹ گئی۔ رات تک تیز بخار ہو گیا تھا، اور پھر یہ بخار لمبا ہی ہوتا چلا گیا۔ ہوسٹل کی بے سروسامانی اور ایسی بیماری۔ اُس کی روم میٹ پریشان ہوگئی۔ اُس کی تیمارداری کی خاطر کالج سے چھٹیاں لینی پڑیں۔ سائرہ نے گھر اطلاع نہیں کی۔ صرف یہ سوچ کر کہ وہاں کون تھا جو اُس کے متعلق سوچتا۔ امی کی اپنی صحت اچھی نہ تھی، سفر نہ کر سکتی تھیں۔ یوں بتا کر

انھیں پریشان کرنے سے کیا حاصل۔ وہ سارا وقت چُپ چاپ کمرے میں لیٹی رہتی۔ کبھی دل ہوتا تو کتابیں رسالے پڑھا کرتی۔

آہستہ آہستہ تندرست ہوتی گئی لیکن کمزوری رہ گئی تھی اور موڈ کا وہی عالم تھا۔ گُم سُم سی رہتی۔ کسی سے باتیں نہ کرتی۔ کہیں باہر آتی جاتی نہیں۔ اس کی ساتھی اسی موڈ سے پریشان تھیں۔ ہر طور سے دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ پکچرز، پارٹیز کی دعوت دیتیں، لیکن وہ ایسی بیزار ہورہی تھی کہ کسی کام کو طبیعت نہ ہوتی۔ شہر میں تصویروں کی نمائش ہورہی تھی۔ سائرہ کو خود سے کچھ ایسا شوق تو نہ تھا، بس منصور کی دلچسپی کی وجہ سے اُسے بھی دلچسپی ہوگئی تھی۔ تصویریں اور ان کے متعلق سبھی کچھ اچھا لگنے لگا تھا۔ اُس روز شام کو دوستوں کے اصرار پر وہ اُن کے ساتھ ہی چلی گئی۔ بہت سے آرٹسٹوں کی تصویروں کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ اور اُس میں منصور کی تصویریں بھی تھیں۔ سائرہ کو حیرت کے ساتھ ساتھ اتنی خوشی بھی ہوئی۔ اتنا فخر محسوس ہوا۔ کم از کم وہ اُسے جانتی تو ہے اور دوست خواہ کتنی ہی مدت تک نہ ملیں اپنے تو رہتے ہی ہیں۔ اُن پر یہ حق ختم تو نہیں ہو جاتا۔ دُوری کتنی بھی ہو اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔ اپنی دوستوں کو بتایا۔ اُن کے مختلف سوالوں کے جواب دیتی رہی۔

"تصویریں تو اچھی ہیں" ایک ہنستی ہوئی بولی۔

"آرٹسٹ خود کیسا ہے"

"بہت اچھا"

دوسری مسکرائی۔ تنگ کرنے کو بولی۔

"ذرا وضاحت کرو"

"بھئی ٹھیک ہے"

"ہینڈسم۔ سمارٹ"

سائمہ کے چہرے پر ہلکی سی سُرخی آگئی۔

"میں کیا جانوں تمھارا ہینڈسم کا معیار کیا ہے"

"ارے ایسی بھولی" وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ذرا صورت دیکھنا ان کی"

"کبھی دیکھ لینا۔ میرے گھر آؤ گی تو"

"تمھارے گھر تو نہیں رہتا"

"اس شہر میں تو رہتا ہے"

"دوستی ہے ذرا ذرا"

"کیا فضول باتیں کرتی ہو"

راشدہ اُسے ٹھوکا دیتی ہوئی بولی۔

"خالی خولی فن کار ہی ہے یا کوئی کام دام بھی کرتا ہے"

"فرض کرو نہ کرتا ہو تو"

"بھُوکا مرے گا پھر تو"

سائمہ ہنس دی۔

"اپنے ملک میں آرٹ کی یہ قدر ہے لیکن منصور بھُوکا مرنے والا فن کار نہیں یہ تو اُس کے مشاغل میں سے ایک ہے"

"پھر وہ فن کار تو نہ ہوا"

سائمہ ہنس دی۔

"کوئی بات مانو تو سہی۔ اور اُسے کچھ اپنے فن کار ہونے کا دعویٰ تو نہیں"

"یوں تصویریں اچھی ہیں"

"میں اُس کی طرف سے شکر گزار ہوں"

بڑے خوبصورت موڈ میں ہنستی مسکراتی ہوئی واپس آئی تو ہوسٹل کے گیٹ پر چوکیدار نے بتایا سائمہ سے ملنے کوئی صاحب آئے تھے بڑی خوبصورت اور لمبی سی کار میں۔ سُن کر سائمہ کا دل دھڑک اٹھا۔ سہیلیوں نے اور چھیڑ کر پریشان کر دیا۔

"یہ لمبی کار میں کون ملنے آیا"

"بھئی مجھے کیا معلوم"

"کیا بات ہے سائمہ۔ تمہیں خاص ہے"

"بکواس کئے جاتی ہو تم سب"

"دوستوں سے ایسی باتیں چھپایا نہیں کرتے بنّو"

اُسی وقت وارڈن کے گھر سے بلاوا آیا تو جان چھٹی۔ فوراً بھاگی بھاگی وہاں چلی آئی۔ عائشہ کا فون تھا۔ بہت دنوں کے بعد کیا تھا۔ سائمہ نے اپنی بیماری کا بتایا تو وہ پریشان ہو گئی۔ چھوٹی چھوٹی تفصیل پوچھتی رہی۔ اپنی باتیں کرتی رہی۔ پھر سائمہ سے پوچھنے لگی۔

"پتہ نہیں تم نے کیا فیصلہ کیا۔ وہ ریاض کے گھر والے پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔ امی زبان دیتے دیتے میری ضد پر رک گئیں۔ اب تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ گھر کب آئیں گی"

وہ بڑے اعتماد سے کہنے لگی۔

"عائشہ رانی۔ ایک بات تمھیں بتاؤں، مجھے ریاض سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"اور کس سے دلچسپی ہے"

"ابھی نہیں بتا سکتی۔"

"کب بتائیں گی دیدی۔"

"وقت آنے پر۔"

"آخر ریاض میں کیا برائی ہے۔ مان کیوں نہیں جاتیں۔"

"میرے دل کو نہیں لگتا۔"

عائشہ کی شریر ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"دل کہیں لگا لیا۔"

"تمھیں ہمیشہ ایسی باتیں ہی سوجھتی ہیں۔"

"پھر امّی کو کیا کہوں۔"

"ٹال دو کسی طریقے سے۔"

"اور جو وہ دوسرے لوگ نہ ٹلیں تو۔"

"اُنھیں مارو گولی۔ میں ان کی پرواہ نہیں کرتی۔ امّی کو چند روز دلاسہ دو۔ شاید شاید میں کچھ فیصلہ ہی کر ڈالوں۔"

وہ خوش ہو گئی۔

"سچ دیدی۔ پھر جلدی سے کر ڈالو۔ عمران بھی واپس آنے والا ہے۔ تمھیں خوش دیکھ کر سبھی خوش ہوں گے۔"

"عمران کب آرہا ہے؟"

"جلدی ہی۔"

سائمہ کا کتنا دل چاہا منصور کے متعلق کچھ پوچھے۔ اس کی خیریت دریافت کرے۔ اُس کے پروگرام کا کچھ اندازہ ہو، لیکن جھجک مانع آگئی۔ اپنی اِس خواہش کو دبالیا۔ اُس نے خود سے بھی کچھ نہیں بتایا۔ فون سے فارغ ہو کر واپس آئی تو شیما بستر میں نیم دراز ایک کتاب دیکھ رہی تھی۔ اُسے آتے دیکھ کر نظریں اُٹھائیں ذرا سا مسکرا دی۔

"آج کا دن بہت اچھا ہے تمھارے لئے۔"

"واقعی"

"خوش ہو؟"

"ہوں تو۔ کچھ ایسی بیزاری کی وجہ بھی نہیں۔"

"تم خوش بہت بھلی معلوم ہوتی ہو۔"

"تمھارا حُسنِ ظن ہے۔"

"ہاں بھئی اپنا اپنا مقدر ہے۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں ہی سٹوڈنٹ میں اتنی پاپولر ہو گئی ہو۔ ایسے پیار سے تمھارا ذکر کرتی ہیں کہ رشک آجائے۔ آخر تم میں ہے کیا!"

سائمہ ایک دم سے ہنس دی کتنی ہی دیر ہنستی رہی۔ پھر پوچھنے لگی۔

"رشک آرہا ہے یا جلتی ہو۔"

"کچھ سمجھ لو۔ لیکن تم میں ہے کیا؟"

"تمھیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بے عزتی کر رہی ہو میری"
وہ بھی مسکرا دی۔
"تم میں بعض عادتیں بہت پیاری ہیں"
"انکشاف ہوا"
"ہاں۔ گھر میں سب لوگ کیسے ہیں"
سائمہ کو ریاض کا خیال آگیا، جھنجھلاہٹ ہوئی۔ لاپرواہی سے شانے جھٹکے۔
"سب ٹھیک ہیں"
"تمھاری بہن اچھی ہے"
"بالکل"
"خوش ہو گی بہت"
"ہاں۔ خوش ہے"

دوسرے دن سائمہ صبح سے ہی بڑے اچھے موڈ میں تھی۔ خاصے اہتمام سے تیار ہوئی۔ لباس بھی سلیقے سے پہنا۔ بالوں کو سنوارا۔ تھوڑا سا میک اَپ کیا۔ سارا دن خوش باش پھرتی، ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ انجانے میں ہی منصور کا انتظار رہا۔ کیا خبر وہ کس وقت چلا آئے۔ ہر آہٹ پر چونک پڑتی۔ مارے تجسس کے کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا گیا۔ واپس آ کر بغیر لباس تبدیل کئے صوفہ پر چڑھی بیٹھی رہی۔ کہنے کو رسالہ دیکھ رہی تھی، لیکن دھیان کسی اور طرف تھا۔ شیما نے ایک دو بار ٹوکا بھی "آ کر لیٹتی کیوں نہیں۔ لیکن وہ ٹال گئی اب اُسے کیوں کر بتاتی کہ وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے۔
شام کو لباس وغیرہ تبدیل کر کے لڑکیاں چہل قدمی کو جا رہی تھیں۔ سائمہ

بھی تیار ہوئی جان بوجھ کر دیر کرتی رہی کہ باقی لوگ چلے جائیں اور وہ پیچھے رہ جائے لیکن کچھ بات بنی نہیں یشیما بھی ڈھیٹ بنی تھی۔ لاکھ اُس کے حیلے بہانوں کے ٹلی نہیں۔ مجبوراً سائمہ کو ساتھ دینا پڑا۔ چوکیدار کو تاکید کر آئی کوئی مہمان ہو تو انتظار کرے۔ وہ جلدی واپس آجائے گی۔ سارے راستے دعائیں مانگتی رہی کہ منصور آ کر چلا نہ جائے۔ جلدی جلدی واپس آنے کو دل چاہا۔ سرخ چہرہ لئے انہی سوچوں میں گم سُم چلتی رہی یشیما کی باتوں کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ اُس کے ٹوکنے کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ واپس آئی تو پُرامید نظروں سے چوکیدار کی طرف دیکھا۔

"صاحب کل بھی آئے تھے، آج میں نے روک لیا۔ اندر بیٹھے ہیں۔"

سائمہ کا دل دھڑک اُٹھا۔ کانوں کی لوئیں جل اُٹھیں۔ ایک بار یشیما کی طرف چور نظروں سے دیکھا اور بھاگی اندر کی طرف۔ خود پر قابو نہ رہا تھا۔ برآمدے میں آ کر وہ رُک گئی۔ اندر کا پردہ ہوا سے ہل رہا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہیں کھڑی سوچتی رہی پچھلی ساری ہی باتیں ذہن میں دُہرا گئی۔ یہ سارا عرصہ اُس نے کیسی اذیت میں گزارا تھا۔ خود پر کتنا جبر کیا تھا خود کو دھوکا دیا۔ اپنی پسند کے متعلق ہمیشہ دل کو بہلا دیا اور اب اُس کی منزل سامنے تھی اور اُسے یقین نہ آ رہا تھا۔ اندر جاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ کہیں منصور میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ آس بندھ کر ٹوٹ نہ جائے اور ابھی تو مجھے اُسے منانا بھی ہے۔ جب گیا تھا تو یقیناً ناراض ہوگا۔ وہ اُسے رخصت کرنے بھی نہ جا سکی، اُس کے رویہ کا کتنا افسوس ہوا ہوگا۔ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی وہ وہاں کھڑی رہی۔ پھر اپنی بزدلی پر غصہ آیا، ہمت کر کے آہستہ آہستہ قدموں سے

اندر بڑھی۔ پردہ ہٹا کر جھانکا سامنے ہی دریچے کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر وہ مڑا۔ ایک دم سے ہی سامنے آ گیا۔ کہیں بجلی گری ہوتی تو سائرہ کو اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس وقت ہوا۔ ایک دم سے ہی پیلی پڑ گئی۔ وہ منصور نہیں ریاض تھا۔ بمشکل خود کو سنبھال سکی۔ چند لمحے خاموش رہی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا نزدیک آ گیا۔

"آپ مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

" مجھے آپ کی توقع نہ تھی۔"

" مجھے افسوس ہے۔"

" کیسے چلے آئے یہاں۔"

" یونہی چلا آیا تھا۔ اور پھر امی کہہ رہی تھیں ہر بات کا فیصلہ سائرہ پر ہے۔"

وہ چونک پڑی حیران ہو کر اُسے دیکھا۔

" کیا مطلب۔"

" یہی بیاہ کی بات۔ میں اگلے ماہ ٹریننگ کے لئے جا رہا ہوں۔ اس سے پہلے کچھ فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔ بات پکی ہو جائے تو بہتر ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے یہاں آنا پڑا۔ سنا تھا آپ بہت ضدی ہیں۔ ہر بات میں اپنی ضد کرتی ہیں۔"

سائرہ سرد لہجے میں بولی۔

" درست سنا تھا۔"

" پھر کیا سوچا آپ نے۔"

وہ تیز لہجے میں بولی۔

"مجھے ابھی بیاہ نہیں کرنا۔"

"میں انتظار کر لوں گا۔"

سائمہ نے کٹتی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آگئی۔ چھری کٹاری کا سا انداز۔

"مجھے آپ سے بیاہ نہیں کرنا۔"

"سائمہ!" وہ ایک دم سے چونک پڑا ایسا حیران ہوا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"آپ درست سن رہے ہیں۔ فیصلہ تو مجھے ہی کرنا تھا اور وہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔"

"لیکن تمھیں اعتراض کیا ہے۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ریاض صاحب۔ آپ کو ایسی باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں اور اعتراض خواہ کچھ بھی نہ ہو مجھے پسند نہیں۔"

"یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے۔"

"یقیناً۔"

"مجھے دُکھ ہوا۔"

"اس بات کا مجھے افسوس ہے۔"

چند لمحے کمرے میں جان لیوا خاموشی رہی۔ سائمہ نے اُسے بیٹھنے کو نہیں کہا۔ چائے کافی کا نہیں پوچھا۔ سُتا ہوا چہرہ لئے صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی رہی۔ وہ چلنے کو تیار ہوا پھر بھی کچھ نہ بولی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔ پھر بھی اُس کی زبان نہ

کھُل سکی۔ اُسی انداز میں بیٹھی رہی۔ قدموں کی چاپ دُور ہوتی چلی گئی۔ سائمہ بے حس و حرکت تھی۔ مارے غصہ اور جھنجھلاہٹ کے ہلنے کی ہمت خود میں نہ پا رہی تھی کیسی مایوسی ہوئی تھی۔ دل جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔ مدّتوں کے رُکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ اتنا روئی کہ دوپٹہ تک گیلا ہو گیا۔ شیما کمرے میں واپس آئی تو وہ سُرخ سُوجی آنکھیں آنچل میں چھپائے کھڑی تھی۔

"ارے سائمہ تمھیں کیا ہوا"

اُس کے آنسو اور تیز ہو گئے۔ کسی بات کا جواب نہ دیا۔ ہلکی ہلکی مدّھم سسکیوں کے ساتھ روتی رہی۔ شیما اسے تسلّی دے رہی تھی۔ پریشان ہو رہی تھی۔

"کون ملنے آیا تھا تمھیں۔ گھر میں تو سب خیریت ہے نا"

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بولی پھر بھی کچھ نہیں۔

"کسی سے کچھ جھگڑا ہوا"

"نہیں"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ شیما کو پرے دھکیل دیا۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو"

"ارے رانی۔ ایسی کیا ٹریجیڈی ہو گئی"

اُسی وقت ہی چوکیدار نے دستک دی۔ اندر آ کر بولا

"سائمہ بی بی۔ آپ کے وزیٹر ہیں"

وہ بغیر اُس کی طرف مڑے بولی۔

"میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی"

شیاچوکیدار کی طرف مڑی۔

"کون ہیں؟"

"ایک صاحب ہیں۔"

"ذرا نام پوچھ آؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو ایک کارڈ ہاتھ میں لئے تھا۔ شیما نے پڑھا اور مسکرادی۔ کارڈ سائمہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہونٹ دانتوں میں دبائے کتنی ہی دیر کارڈ پہ نظریں جمائے رہی۔ پھر اُس کے چہرے پر ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔ مسکراہٹ آگئی۔ چہرہ سُرخ ہونے لگا۔ سر اُٹھا کر شیما کی طرف دیکھا اور بھاگی باہر کو۔ شیما کی ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دے رہی تھی، لیکن اُس نے پروا بھی نہ کی۔ منصور اُسے دیکھ کر گاڑی میں سے اُتر آیا۔ وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔ ایک دم سے ہی اُس کے بازو کے ساتھ آلگی۔

"منصور۔ تم آگئے۔ آخر میں اتنا انتظار کر رہی تھی۔"

"ارے تمھیں کیا خبر۔ میں تو اپنی تصویروں کے لئے آیا تھا۔ آج شام ہی پہنچا تھا۔ سب سے پہلا کام تم سے ملاقات کا تھا۔ سوچا دیکھوں تو یہ ضدی سی لڑکی کس حال میں ہے۔ تم نے مجھے یاد کیا؟"

وہ ساری پچھلی باتیں، اپنی اِنا بھول گئی۔ اتنی مدت کے بعد اُسے دیکھ کر محسوس ہوا تھا کہ وہ اُس کے بنا کتنی اُداس تھی۔ کیسی کمی تھی اُس کی ذات میں۔ وہ اُسے کتنا پسند کرتی چلی آئی تھی۔ جلدی سے بولی۔

"بہت۔"

منصور نے گہری نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔"

"ہاں۔ تم اپنی سناؤ۔"

"سائمہ۔ اپنی کیا کہوں۔ میں تو نہیں بدلتا۔ میری تمنّا تو اب تک تم ہی ہو۔ ہمیشہ رہو گی۔"

"منصور مجھے معاف کر دو۔"

وہ اُس کے بازو پر جُھک گئی۔ منصور نے پیار سے اُسے دیکھا۔ آہستہ سے تھپکا۔ پھر چونک پڑا۔ اُس کے دوپٹہ کا کنارا اٹھاتے ہوئے بولا۔

"یہ گیلا ہو رہا ہے تمھارا آنچل۔"

"روتی رہی ہوں۔"

وہ اُس کی معصومیت پہ ہنس دیا۔ آہستہ سے بولا۔

"دُھل گیا ہوگا پھر تو۔"

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دئے۔ وہ مسکراہٹ جس میں دلی سکون تھا۔ اطمینان تھا۔ دونوں اندر چل دئے۔

—— ختم شد ——

حمیدہ جبیں

دل اور دنیا

نازک جذبات کی حسین عکاسی

دل — جو دنیا کو رنگین بھی بنا دیتا ہے اور ویران بھی

دُنیا — جہاں روزانہ بے شمار حادثات جنم لیتے ہیں۔

دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے فرار حاصل کرنے والے
ان دوستوں کی کہانی ہے جنھوں نے اصولوں کی سنگین
دیواروں میں خود کو مقیّد کر لیا۔
مگر ایک خوبصورت دوشیزہ کی زندگی بخش شخصیت
نے یہ دیواریں مسمار کر دیں۔

قیمت مجلّد دس روپے

ناول

زیبا	اے آر خاتون	-/۶
خادمہ	مینا ناز	۸/۵۰
اک جہاں اور بھی ہے	رضیہ فصیح احمد	-/۷
شبنم	تنویر زہرہ بخاری	۶/۵۰
وجیہہ	حمیدہ جبیں	-/۷
نواب زادی	"	-/۸
عنبرین	"	-/۹
نذرانہ	زبیدہ سلطانہ	۷/۵۰
تقدیر	رئیس احمد جعفری	۶/۵۰
ساتھی	"	۴/۵۰
بجھے چراغ جل اٹھے	خورشید نکہت	۳/۵۰
ایک کشتی سو طوفان	عشرت امید	۳/۵۰
تہمت	راقم صدیقی	۳/۵۰
چلمن	نادرہ خاتون	-/۱۰
غازی	نسیم حجازی	-/۸
نورالصبح	فاطمہ انیس	-/۳
وقت گذر گیا	"	-/۳

ادبی کتب

کتاب	مصنف	قیمت
سرسید اور اُن کے نامور رفقا	ڈاکٹر سید عبداللہ	۱۰/-
مقاماتِ اقبال	"	۸/۵۰
میر امن سے عبدالحق تک	"	۱۰/-
اردو زبان کا ارتقا	ڈاکٹر شوکت سبزواری	۷/۵۰
داستان زبانِ اردو	"	۴/-
ترقی پسند ادب	عزیز احمد	۴/-
اردو تنقید نگاری	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۷/۵۰
اردو کی تین مثنویاں	پروفیسر خان رشید	۴/-
تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	۱۲/-
اردو کیسے پڑھائیں	مولوی سلیم عبداللہ	۴/-
تعلیمی نفسیات	ترجمہ راج کمار	۱/۵۰
فلسفۂ تعلیم و تربیت	رئیس احمد جعفری	۷/-
ابتدائی اسکول میں تعلیم کے طریقے	ترجمہ جلیس عابدی	۱/۵۰
یادگارِ غالب	مولانا حالی	۳/-
مقدمہ شعر و شاعری	"	۲/۵۰
تحریکِ آزادی	مولانا آزاد	۴/-
قولِ فیصل	"	۳/-
نیرنگِ خیال کامل	محمد حسین آزاد	۲/۵۰
تنقیدی پیرائے	عنوان چشتی	۴/۵۰
رہبرِ ادیب	گائڈ ادیب	۶/۵۰
مقالاتِ حالی اول	مولانا حالی	۴/۵۰
فنِ افسانہ نگاری	پروفیسر وقار عظیم	۷/-

ان کے علاوہ دہلی کے ہر ادارہ کی مطبوعات ہم سے
طلب فرمائیں

چمن بکڈپو، اردو بازار، دہلی ۶